عالیہ حرا

پھول کلیاں بہار

"بیٹا! انسان کو ہر کام خلوص دل اور صاف نیت سے کرنا چاہیے' نیت صاف' منزل آسان' ہماری زندگی دوسروں سے منسلک ہوتی ہے۔ ہم دوسروں کے لیے ہیں اور دوسرے ہمارے لیے ہیں۔ محض اپنے لیے جینا تو زندگی نہیں ہوتی۔ اپنے لیے جینے والا' صرف اپنی ذات کے لیے سوچنے والا تنہا ہو جاتا ہے۔ اس کا دل سنسان ہو جاتا ہے۔"

"مگر بابا جان! لوگوں کو تو ہماری پروا نہیں ہوتی' وہ ہمارے بارے میں اس طرح نہیں سوچتے جس طرح آپ کہہ رہے ہیں۔"

"یہ ہی تو فرق ہے بیٹا! ہم یہ کیوں سوچیں کہ لوگ ایسے تو نہیں سوچتے۔ اگر ہم لوگوں کی سوچ سے اپنا راستہ نکالیں گے تو خسارہ ہمارا ہی ہے' ہماری عقل و شعور' قوت استدلال' قوت ارادی' اور قوت ادراک

ناولٹ



کو مضبوط اور مربوط ہونا چاہیے۔"

"مگر بابا جان۔" وہ تذبذب کا شکار تھی۔

"مریم بیٹا! تمہاری عمر ابھی چھوٹی ہے اور جس سے تم وابستہ ہو، اس کا مزاج سمجھنے کے لیے تمہیں ابھی وقت درکار ہے، لمحوں میں تو کائنات کے اسرار سمجھ میں نہیں آتے اور تمہاری مشکل یہ ہے کہ وہاں تمہارا ہم عمر کوئی نہیں مگر یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" انہوں نے رک کر سگار کا کش لیا۔

وہ بے چینی سے انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"اچھا چلو، اچھی سی کافی بنا کر لاؤ۔" انہوں نے دھیان بٹایا۔

"جی۔" وہ لمحہ بھر کو ٹھہر کر باہر نکل گئی۔

راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے وہ تحریم کے متعلق ہی سوچتے رہے، جس کی شادی کو ابھی صرف دو ماہ ہوئے تھے۔ اس کا مسئلہ بہت ہی عجیب سا تھا۔

وہ ممتا کو ترسی ہوئی لڑکی تھی۔ ماں عرصہ دراز پہلے رخصت ہو چکی تھی۔ دو بہنیں تھیں اور ایک بھائی تھا۔ بڑی بہن امریکہ بیاہ کر چلی گئی بھائی پڑھنے کے لیے جاپان چلا گیا۔ بابا کا اپنا بزنس اور مصروفیات تھیں گھر میں ایک دادا جان کی ذات تھی جو اسے زمانے کے رموز سمجھاتے رہتے تھے۔

تحریم فطرتاً حساس و نازک سی لڑکی تھی۔ وہ ہر بات کا صرف روشن پہلو دیکھنے کی عادی تھی۔ گھر میں کوئی عورت نہیں تھی۔ باپ، دادا اور بھائی بس یہ ہی لوگ اس کے ارد گرد تھے۔

بہن شادی پر آئی تھی، تیاریوں میں بہت وقت گزر گیا اور وہ تحریم کے پاس بیٹھنے کی خواہش، بہت کچھ جاننے پوچھنے کی حسرت لیے پیا دیس سدھاری۔ اسے نئی زندگی کے بارے میں کوئی شعور نہیں تھا۔

وقت انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ مگر پہلے سنگلاخ پتھریلی زمین پر ننگے پاؤں چلاتا ہے، آبلہ پائی کا دکھ، اور اذیت اور نارسائی کا دکھ دیتا ہے، ٹھوکر لگا کر گراتا ہے اور پھر سمیٹ لیتا ہے۔ وقت بہت بے درد ہوتا ہے۔ بہت دکھ دیتا ہے مگر وقت ہی بہت مہربان ہوتا ہے۔ بہت سی خوشیوں سے نوازتا ہے۔ آگے جا کر وہاج لاج میں بھی اسے مردوں کی فیملی ملی۔

عمر سمیت وہ سب پانچ بھائی تھے۔ بہن کوئی نہیں تھی۔ ماں یہاں بھی نہیں تھیں۔ بہت پہلے وہاج احمد انہیں طلاق دے چکے تھے۔ عورت کے بغیر گھر کیسا ہوتا ہے اسے یہاں رہ کر اندازہ ہوا، یہ لوگ ماں کی ممتا سے ناواقف تھے۔

بہن کی محبت سے بے بہرہ۔

گھر کا نظام خانساماں کے ہاتھوں میں تھا، اس کی رہائش ادھر ہی تھی۔ ماسی آتی گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے۔ دھوبی آتا سب گندے کپڑے سمیٹ کر لے جاتا۔ ایک مالی تھا جو گھر کے چاروں طرف لگے لان میں گھومتا رہتا کام کم آرام زیادہ کرتا تھا۔

یہاں ہر کسی کا مزاج مختلف تھا لیکن ایک چیز جو مشترک تھی اور ان سب کو آپس میں باہم مربوط کرتی تھی۔ وہ عورتوں پر بے اعتباری تھی۔

ان کے نزدیک عورت کی کوئی عزت کوئی حرمت نہیں تھی۔ عورت ان کے لیے محض کھلونا تھی۔ جو محض انجوائے منٹ کا ذریعہ تھی۔ ان سب کی بہت ساری گرل فرینڈز تھیں۔ عورت ان کی زندگی کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ عورت کے ادب و احترام سے ناواقف تھے۔

انہیں رشتوں کی کوئی بھی ڈور نہیں ملی تھی۔

ماں کا اعتبار، اعتماد تو مدتیں گزریں تھی پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ بہن کی محبت ملی ہی نہیں تھی۔

خاندان میں بھی جاتے ہنسی مذاق کھیں اور واپس آجاتے وہ ان سب کے مزاج دیکھ کر حیران تھی۔ عمر اس کا شوہر معلوم نہیں کیوں اس کی شادی کی گئی۔ تحریم اس کی محض ضرورت تھی محبت نہ بن سکی۔

یہ سب لوگ گھر سے باہر خوش رہتے تھے۔ گھر میں ان کے چہروں پر ایک تناؤ، ایک کھنچاؤ رہتا تھا۔

دوسرے نمبر کا فاروق، جس کے مزاج اس قدر تیکھے تھے کہ بات کرنا تو در کنار نظر اٹھا کر دیکھنا بھی جرم تھا۔ صرف کام سے کام رکھتا، وہ ایم ایس سی کا

اسٹوڈنٹ تھا۔

تیسرے نمبر کا جنید، کرکٹ کا شیدائی۔ موسیقی کا دیوانہ، جو محض وقت گزاری کے لیے اکثر اس سے بات کر لیتا تھا۔ اس کا مستقبل کرکٹ سے ہی وابستہ تھا۔

چوتھا بھائی شعیب، جس کی آنکھوں میں شک و شبہات کا طوفان امنڈتا رہتا۔ اس نے شاید کسی عورت سے دھوکا کھایا تھا۔ اب کبھی آفس میں لگ کر لگی بندھی روٹین کے مطابق زندگی گزار رہا تھا۔

سب سے چھوٹا سیف بھی حد سے زیادہ بدگمانی کا شکار رہتا تھا۔ اس کے بھی مزاج نہیں ملتے تھے۔

وہ ان سب کے مزاج دیکھ کر عالم تحیر میں رہتی تھی۔ ان سے ملاقات کھانے کے وقفے میں ہوتی تھی۔

سب کی اپنی اپنی ذاتی مصروفیات و دلچسپیاں تھیں۔ اپنے باپ وہاج احمد سے بھی واجبی سی بات چیت ہوتی۔ وہ خود عورت کے دکھ کا شکار تھے۔ ان کی زندگی خود خط ناہموار پر رقصاں تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ عمر کے لیے اس کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ جبکہ اسے اس کے مزاج کی ہی لڑکی درکار تھی۔

اکھڑ، بدمزاج، بے اعتماد۔

اس کے بابا اور دادا نے اس پرپوزل کو اس کے لیے کیوں منتخب کیا جبکہ وہ سب جانتے تھے، وہ کتنی تنہائی کا شکار تھی۔

دادا جان کی ذات نہ ہوتی تو وہ کب کی گزر چکی ہوتی۔ سارا سلیقہ، طریقہ، رکھ رکھاؤ۔ ایک باسلیقہ، سگھڑ عورت کی طرح انہوں نے ہی سکھایا تھا۔ خالہ دور تھیں، پھوپھیوں کو اللہ نے توفیق نہ دی بس سال کے سال ملنے چلی آتی تھیں۔ اس کا دل گداز تھا اور وجود مہربان۔ خیالات ہمدردانہ لیکن کسی مہربانی کی تو اس گھر کے مکینوں کو ضرورت ہی نہ تھی۔

ہو سکتا تھا کہ بابا اور دادا جان کا خیال ہو کہ ہماری بیٹی کم سن، بھولی بھالی، نادان اور سب سے چھوٹی ہے۔ آگے نہ ساس، نہ نند۔ لڑکے کب ٹھہرتے ہیں گھر میں۔ اس کا ہی راج ہوگا۔ مگر یہ ان کی بھول تھی۔

جب خیالات باغیانہ ہوں اور سوچیں غیر متوازن، تو زندگی میں بہت سے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

دادا جان اس کی کشمکش کو سمجھ گئے تھے۔

اس لیے جب وہ جا رہی تھی تو لان میں چیئر پر بیٹھ کر اسے سمجھایا۔

"بیٹا! پیار و محبت سے فتح ممکن ہے۔ صبر و تحمل کڑا امتحان سہی مگر اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلتا ہے۔ ایک پرسکون صبح، ایک سکون بخش زندگی۔ اگر تم اپنی اخلاقی اقدار کو مضبوط کر لو، اپنی قوت برداشت، قوت حوصلہ کو مربوط کر لو تو تمہیں ایک نئی قوت ملے گی۔ اور اک وا آگہی کا نیا آسمان ملے گا۔ وہ سب لوگ اتنے برے نہیں ہیں بس ان کی زندگی بہت غیر متوازن ہے وقت جنہیں سکھائے بغیر گزر جاتا ہے نا ان کی زندگیوں میں ایسی ہی ہلچل اور انتشار ہوتا ہے۔ انہیں تم ایک نئی راہ دکھاؤ تو تم عظمت کی بلندیوں پر ہو گی۔"

"عظمت کی بلندیاں۔" وہ استہزائیہ ہنسی "میرے لیے کہاں۔" سب کے پتھریلے، چٹان ایسے چہرے نگاہ میں تھے۔

بہر حال کچھ بھی ہو ایک نیا ارادہ نیا حوصلہ اس کے ہمراہ تھا شاید اگلی بار اس کے خیالات مختلف ہوں۔

شاید اگلی بار عمر اس کے ہمراہ مسکرا رہا ہو۔

شاید اگلی بار...

یہ شاید ہمیں اکثر کتنے ٹھنڈے اور میٹھے احساسات سے روشناس کر دیتا ہے۔

خلیل جبران بھی کہتا ہے۔

"اگر کوئی شخص تمہیں نقصان پہنچائے اور تمہارے جذبات کو مجروح کرے تو اسے بھلانے کی کوشش کرو۔"

اسلامی اخلاقی اقدار میں در گزر ہی تو آپس کے تنازعوں کو صلح و امن کی راہ دکھاتا ہے۔

وہاج لاج سے آئی ہوئی سفید شیراڈ میں بیٹھتے ہوئے اس کے خیالات یکسر بدل چکے تھے۔ در گزر، صبر و استقامت، برداشت، اس کے ہمراہ تھے۔

حسب معمول وہاج ولا میں گہری دبیز خاموشی کا راج تھا۔ سرخ روش پر چلتے ہوئے محسوس ہوا۔ درخت، پھول، پودے، پتے سب سر جھکائے حسرت و یاس کی تصویر بنے ہیں۔ ان سب کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہلکی سی ہوا نے اسے سر اٹھانے پر مجبور کیا اور پھر وہ سب حیران ہوئے تھے۔

"کس قدر گہری خاموشی ہے یا اللہ!"

سیڑھیاں چڑھ کر وہ اپنے بیڈ روم میں آگئی۔

ہر چیز ویسی ہی تھی جیسی چھوڑ کر گئی تھی۔ صاف، شفاف، سمٹی ہوئی۔

وہ دھیرے سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ بے چین سی نگاہ گھوم کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی تصویر پر ٹھہر گئی۔

سرخ عروسی جوڑے میں سر جھکائے عمر کے پہلو میں سمٹی دھیمی سی مسکان، جب کہ دولہا بنے عمر کا سنجیدہ، بردبار چہرہ۔

"میں نے تو سہیلیوں، سکھیوں سے سنا تھا کہ بیویاں میکے جاتی ہیں تو شوہر اور بیڈ روم کی ساری چیزیں اداس ہو جاتی ہیں ہر چیز بے ترتیب ہو کر چیخ چیخ کر اپنے محبوب کے لیے فریاد کرتی ہے مگر یہاں۔"

اس کی آنکھ بھر آئی "ضرورت بھی نہیں، محبت بھی نہیں، پھر... پھر..."

اس نے دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا۔

"بابا جی! یہ سب لوگ کب تک آئیں گے۔"

خود کو نارمل کر کے وہ لاؤنج میں کھڑی تھی۔ اور شام کے چھ بج رہے تھے۔

"وہ سب تو دیر سے آئیں گے۔"

"کھانا بنا لیا۔"

"جی بس تیار ہونے والا ہے۔"

"ایک کپ چائے مل جائے گی۔"

"ضرور بیگم صاحبہ!" خانساماں الٹے قدموں کچن میں چلا گیا۔ وہ بھی پیچھے آگئی۔

خانساماں کی بیٹی جمیلہ برتن دھو رہی تھی۔ بیوی پیاز کاٹ رہی تھی۔

"سلام بیگم صاحبہ!"

"وعلیکم السلام کیسی ہو؟" وہ خوش دلی سے مسکرائی۔

"بالکل ٹھیک جی۔"

"بابا! کتنے بچے ہیں آپ کے۔" وہ وہیں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

"آٹھ بچے ہیں جی۔"

"پڑھایا بھی ہے یا سب کام کرتے ہیں۔" سرسری نگاہ اپنی جانب متوجہ جمیلہ پر ڈالی۔

"جس بیگم صاحبہ! گزارے لائق پڑھایا ہے، غریب لوگ پڑھا لیں۔ یا پیٹ بھر لیں سب کی شادیاں بھی کر دیں ہیں۔ اب تو بس تین بچے رہ گئے ہیں چھوٹی عمر میں ہی شادیاں کر دی تھیں۔"

"اوہ!" اسے اندر ہی اندر شدید تاسف ملال ہوا۔ چھوٹی عمر، ایک غریبی سے نکل کر دوسرا غریب جہنم۔

"یہ لیں جی۔" خانساماں نے چائے اس کی جانب بڑھائی۔

"شکریہ بابا۔" کہہ کر ایک سپ لیا، چائے بہت مزیدار تھی۔ وہ کپ لے کر باہر آگئی۔

ہر جانب سناٹے کے ساتھ اندھیرا بھی اتر رہا تھا اس نے تمام کمروں کی اور لان کی لائٹس آن کر دیں۔ ساڑھے سات بج رہے تھے، اس نے فون اٹھا لیا۔ اتنا تو حق تھا اس کا۔

"اچھا تم! ڈرائیور پہنچ گیا تھا ٹائم پر۔" لہجہ نارمل تھا، نہ شوق تھا نہ بے قراری، نہ انتظار و اشتیاق کا منتظر لہجہ۔

"جی! آپ کب تک آئیں گے۔"

"ابھی تو مشکل ہے آنا، کچھ لوگوں کے ساتھ بزنس ڈنر ہے۔ گیارہ بارہ بجے تک واپس ہوگی۔"

"اف۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا ہوا؟"

"ہاں کچھ نہیں وہ میں۔"

"اچھا خدا حافظ۔" فون بند ہو گیا۔ اور وہ بیٹھی رہ گئی۔ نہ حال پوچھا نہ بے قراری کا اظہار کیا، یہ بھی

نہیں کہ دن کیسے گزرے، اور نہ اسے پوچھنے دیا۔ کھٹ سے فون رکھ دیا، وہ بل کھا کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کس خطاب سے نوازے صاحبزادے عمر وہاج احمد کو۔ پہلے پاپا آئے پھر سیف، پھر عمر۔

"کیسی ہو بیٹا!" ان کا لہجہ قدرے نرم تھا، جنید نے ایک نگاہ دیکھا۔

"پاپا! میں کھانا کھا چکا ہوں۔ آپ کھائیے۔" عمر کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ تحریم نے تو صرف آواز سنی۔ بے اختیار پلیٹیں اٹھا کر باہر آئی۔ عمر جا چکا تھا۔ اس قدر بے رخی۔

"بیٹا! خانساماں کدھر ہے، یہ اس کا کام ہے۔" پاپا نے ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں پاپا، مجھے اچھا لگتا ہے۔" اس نے خود کو نارمل کیا۔

"کیسے ہو جنید۔"

"ٹھیک ہوں، آپ تو ٹھیک ہیں نا۔" جنید نہا کر فریش ہو کر آ گیا۔

"بالکل بھئی، آپ سب کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ میرے دادا جان کی طبیعت خراب نہ ہوتی تو جلد ہی آجاتی۔" وہ اسی میں خوش ہو گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کے دادا جان کی۔" جنید نے اس سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہے اب تو۔"

"چلیں کسی دن چلیں گے آپ کے دادا جان سے ملنے۔"

وہ اپنے بھائیوں سے قدرے مختلف مزاج کا لڑکا تھا۔ کھانے کے دوران وہ اسی سے باتیں کرتی رہی۔

کھانے کے بعد چائے آگئی۔

پاپا رات کو چائے نہیں پیتے تھے جنید اور تحریم نے ایک کپ آگے کر لیے۔

تحریم نے جنید سے باتیں کرتے ہوئے ادھر ہی بیٹھ کر چائے پی حالانکہ دل اڑ کر بیڈ روم میں جانے کو چاہ رہا تھا۔ مگر وہ اس وقت ضبط کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔

اب تمہیں پروا نہیں تو ہم بھی یوں ہی سہی۔

مگر کبھی کبھی یہ مقولہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ عمر اور تحریم دونوں نے ایک مختلف زندگی گزاری تھی۔ مختلف ماحول دیکھا تھا۔

ایک زندگی کے بارے میں بااعتماد، مضبوط تھا۔

ایک اپنی زندگی کی خوشیوں کے لیے بے اعتبار، کمزور اور بدگمان تھا۔

یہاں گرتے ہوؤں کو تھامنا تھا۔

اور بس عمر!!

لاؤنج خالی ہو چکا تھا، وہ دودھ کا گلاس لے کر بیڈ روم میں آگئی۔

بیڈ روم کے ماحول نے اسے ایکدم سرد کر دیا۔ نائٹ ڈریس پہنے عمر بیڈ پر دراز تھا مدھم بلب روشن تھا۔ اور وہ غالباً "صرف دودھ کے گلاس کا انتظار کر رہا تھا۔ دس منٹ بعد ہی سو گیا۔

نہ کوئی بات، نہ خیال، نہ محبت بھری سرگوشی، نہ بے قراریٔ دل کی داستان۔

بلکہ... بلکہ یہ تو مجبوری، زبردستی کی عملی تفسیر تھی۔

پہلے تو اس کا دل چاہا خود آگے بڑھے اور جھنجھوڑ کر احساس کی وادیوں میں لے آئے۔

مگر... انا اور خودداری اس کے پیر پکڑتی تھی۔

شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے۔ اور ان کے درمیان اب تک ایک دوری سی تھی۔

صبح عمر اور پاپا کے آفس جانے کے بعد وہ ٹیرس پر آگئی، سیف یونیورسٹی اور جنید گراؤنڈ گیا ہوا تھا۔

"کتنی خاموشی ہے یہاں۔"

اس کے گھر میں بھی خاموشی تھی۔ مگر ایسی خوفناک نہیں تھی یہاں تو پانچ پانچ لڑکے تھے جوان۔ مگر لگتا تھا ان کی عمروں سے شوخی شرارت، کسی نے نکال کر رکھ دی ہے۔ لگتا تھا کسی نے اسے قبول نہیں کیا مگر قبول نہ کرنے والی تو کوئی بات نہیں تھی، بات صرف اتنی تھی کہ۔

وہاج لاج کے مکینوں کو عورت کا احترام کرنا نہیں آتا تھا۔

وہ عورت کے ساتھ بیٹھ کر وقت کو رنگین تو بنا سکتے

تھے مگر انہیں گھر کی عورت کے ساتھ سلوک و برتاؤ کا پتا نہیں تھا' سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی۔

جمیلہ ٹیبل صاف کر رہی تھی' خیراں صفائی کر رہی تھی۔ پہلے اس نے اپنی نگرانی میں صفائی کروائی' کاریڈور اور سیڑھیاں دھلوائیں' ویسے بھی اسے صفائی ستھرائی کا خبط تھا' اسے ماسی کے ہاتھ کی صفائی پسند نہیں تھی۔ آدھے گھنٹے میں پورا گھر صاف کر کے چلی جاتی تھی۔

"بیگم صاحبہ! آج کیا پکائیں۔" خانساماں پوچھ رہا تھا۔

"بابا! ابھی مجھے ان سب کی پسند کا اندازہ نہیں ہے' لیکن آپ مینو میں کباب' رائتہ اور میٹھا ضرور رکھا کریں اور آج آپ کھیر بنائیے گا۔"

"کھیر تو جی عمر صاحب کو بہت پسند ہے۔" خانساماں مسکرایا۔

"اچھا۔۔۔!" وہ بے اختیار ہنس دی۔

"اور کباب سیف بابا کو' رائتہ جنید بابا کو' بڑے صاحب تو سادہ غذا کھاتے ہیں۔"

"چلیں میں' آپ کا کچھ کام کر دیتی ہوں' آپ کھیر مت بنائیے گا۔ میں خود بنالوں گی۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

خانساماں بے اختیار مسکرا دیا۔ کتنی اچھی لڑکی ملی تھی عمر بابا کو' گھریلو خیال کرنے والی' محبت کرنے والی' احساس رکھنے والی۔

"مجھے یقین ہے بیگم صاحبہ! آپ ضرور اس گھر کے دکھ سمیٹ لیں گی۔ ماں کی عدم توجہی' عدم دلچسپی اور خود غرضی نے انہیں بظاہر مضبوط مگر اندر سے کمزور کر دیا ہے انہیں۔ آپ توجہ' محبت' خیال' دھیان سے ضرور تبدیلی لے آئیں گی۔" خانساماں کہہ رہا تھا وہ ہنسنے لگی۔

"ہمارے ہاں نوکروں کو اتنا سر پر نہیں چڑھایا جاتا اور نہ ہی ان سے اتنی دیر ہنسی مذاق کیا جاتا ہے۔ نوکر اور مالک کے درمیان ایک حد ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے بھابھی صاحبہ! آپ آئندہ اس حد کا خیال رکھیں گی۔" اسی وقت اندر آنے والے سیف نے نہایت اکھڑ لہجہ میں اس سے کہا۔

اور وہ چپ کی چپ کھڑی رہ گئی۔ سیف نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

"جس شخص کی رگوں میں اس گھر کے مکینوں سے وفاداری کا جذبہ ہو جو اس گھر کی بنیادوں کا گواہ ہو' وہ ملازم کیسے ہو سکتا ہے۔" اس جگہ پر خاموشی اس کے لیے ہی الزام تھی۔

"بہر حال رتبہ تو۔" سیف نے کچھ کہنا چاہا۔

"رتبہ کوئی بھی ہو۔ اسے ہم قابل احترام یا قابل ذلت بناتے ہیں۔ وہ اس گھر کے بزرگ ہیں' اس گھر کا نمک کھایا ہے ایک عمر' وہ کیسے نوکر ہو سکتے ہیں۔"

سیف نے کڑی نگاہ ڈالی اور باہر نکل گیا۔

"کیا ہوا؟۔" اندر آتا عمر سیف کو اس طرح جاتا دیکھتا رہا پھر اندر آگیا۔

شکوہ شکایت فضول تھا' ہو سکتا تھا کہ عمر بھی۔

"کچھ نہیں ایسے ہی' یہ اتنا غصے والا کیوں ہے؟۔"

سر جھٹک کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"تم سے بدتمیزی کی ہے کیا؟۔" عمر نے حیات سے پوچھا۔

"ارے نہیں۔" اس نے سر جھٹک کر خود کو نارمل کیا۔ "مجھ سے بے چارہ کیا بدتمیزی کرے گا' بابا کے ساتھ غصے سے بول رہا تھا' اس لیے پوچھ لیا۔"

"ہاں' اس کا غصہ بابا پر ہی نکلتا ہے۔" عمر گہرا سانس لے کر چیئر پر بیٹھ گیا۔

"بچپن سے بابا کے ساتھ رہا ہے ناں! انہوں نے اسے گودوں میں کھلایا پڑھایا ہے' ان سے محبت بھی بہت کرتا ہے۔"

"اچھا!۔" اسے عجیب سا لگا۔ "جس سے محبت کرنا اسے ہی حقیر سمجھنا' کیا ملازم انسان نہیں ہوتے۔"

جمیلہ چائے لے آئی۔

"چلو چھوڑو' تم کیوں اتنی ہرٹ ہوتی ہو۔ یہ تو اس

کا کیا سب ہی کا انداز ہے۔ اور بابا مسکرا کر سب کے غصے سہتے ہیں۔" عمر نے عام سے لہجے میں کہا۔ اور کپ اٹھا لیا۔

"تم مصروف تو نہیں ہو۔؟"

"نہیں تو' کیوں۔۔۔۔؟۔"

"چلو پھر کہیں گھومنے چلتے ہیں۔"

اس نے بے اختیار چونک کر اسے دیکھا۔ اس عرصے میں یہ پہلی آفر تھی عمر کی جانب سے۔

"مصروف ہو؟۔" اس کے انداز پر عمر نے پھر کہا۔

"نہیں اگر ہوتی بھی تو تمام مصروفیات اس آفر پر ترک کر دیتی۔"

وہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

"کہاں چائے تو پی لو۔"

"چائے پینے میں کہیں آپ کا ارادہ نہ بدل جائے' میں چینج کر کے آئی۔" وہ اندر بھاگی۔

یہ انداز یہ محبت دیکھ کر عمر چائے پینا بھول گیا۔

وہ شادی سے بہت ڈرتا تھا کہ کہیں اس کا انجام بھی پاپا کی طرح نہ ہو۔ اس کے اندر عدم اعتماد اور بے اعتباری کی فضا تھی مگر پاپا نے کہا تھا اس گھر کو عورت کی ضرورت ہے اب اور عورت تمہاری شادی کر کے ہی آسکتی ہے۔ میں نے اگر شادی کرنی ہوتی تو بہت پہلے کر لیتا۔ مگر۔

"اور بابا اگر میری زندگی میں بھی آپ کی طرح۔"

وہاج احمد نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بیٹا! ماضی خود کو صرف وہاں دہراتا ہے جہاں زندگی نے زندگی کو سبق سکھانا ہوتا ہے۔ ویسے بھی اس گھر کے در و دیوار نے اتنی محرومیاں' مایوسیاں اور تاریکیاں دیکھی ہیں کہ اس گھر کے شب و روز اب خود کہتے ہیں کہ ہم پر روشن چمکتی ہوئی روشنیاں ڈالو' ہم پر جگنوؤں کی بارش کرو' ہمیں تاریکیوں سے نجات دلاؤ۔ پھر کیسے تاریک ماضی خود کو دہرا سکتا ہے۔ بیٹا! کیا اس گھر پر خوشیوں کا حق نہیں ہے۔"

"پاپا! میرے دل میں بے اعتباری ہے۔ خوف' دکھ ہے' مجھ سے اتنی بڑی قربانی مت مانگیے کہ میں۔۔۔۔۔"

"بیٹا! تم بڑے ہو' سمجھ دار ہو' اس لیے زندگی کو اپنے انداز سے دیکھو' کوئی پسند ہے تو بتاؤ نہیں تو۔"

"پاپا! میرے اندر بے یقینی زیادہ ہے' میں شاید فیصلہ نہ کر پاؤں۔"

"پھر تمہارے بارے میں' میں فیصلہ کر لوں۔"

"اور پاپا! اگر وہ بھی۔"

"ہر عورت خود غرض' مطلبی اور خود پسند نہیں ہوتی بیٹا!" ان کے لہجے میں دکھ ابھر آیا۔

کیا نہیں دیا تھا انہوں نے انہیں۔ اپنی زندگی میں آنے والی پہلی عورت کی جھولی پھولوں سے بھر دی تھی۔ مگر وہ خود پسند تھی' اپنے انداز سے زندگی گزارنا چاہتی تھی' زبردستی کی نہیں' ان کے پانچ بچے تھے۔ اور پانچوں بیٹے تھے' پانچ بیٹے تو فخر کا احساس دیتے ہیں مگر وہ ناشکری عورت تھی۔ پہلی محبت اس عورت پر ہمیشہ حاوی رہی۔ بالآخر وہ زنجیریں توڑ کر چلی ہی گئی۔

بچوں کی اسے پرواہی نہ تھی۔

وہاج احمد اپنے بچوں کا جتنا خیال رکھ سکتے تھے انہوں نے رکھا۔

مگر جو خوف' سراسیمگی' دکھ' اذیت' تنہائی' محرومی ان کی رگوں میں اتر چکی تھی اس کا مداوا ممکن نہیں رہا تھا۔

انہوں نے خود پر خوشیاں حرام کر لیں۔ مگر ان کی زندگی سے نکلی ہوئی عورت کا زہر ان کے بچوں کی رگوں میں اتر کر رہا۔

عمر کی سوچ' محروم تمنا تھی۔ ان کے بچوں کے چہروں پر دکھ کے کانٹے کھہرے تھے۔ کیونکہ وہ ماں کے ڈسے ہوئے تھے۔۔۔ ماں! جس کے سر پر محبت کا تاج ہوتا ہے۔

یہ تاج تاراج ہو جائے تو ماں نہیں ڈائن رہ جاتی ہے۔

اور ڈائن اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے۔ ایک ماں نے ہی اپنے بچوں کی خوشیوں کو' سکون کو' ذہنی یکسوئی کو"

کھالیا تھا۔
اور اب عمر!
"زندگی کا کینوس بہت وسیع ہوتا ہے بیٹا اور ہر ایک کا علیحدہ تجربہ ہوتا ہے۔ محض دکھوں کے سائے کے بارے میں سوچ کر خود کو ہم تاریکیوں میں دفن نہیں کر سکتے۔ ہر انسان کو خوش رہنے کا حق ہے۔"
"پھر۔۔ پھر پاپا! آپ نے خود پر خوشیاں کیوں حرام کرلیں؟۔" اس نے بے اختیار پوچھا۔
وہاج احمد بیٹے کو دیکھتے رہ گئے۔
"میں اس بات کو مانتا ہوں بیٹا! ماں اور باپ دونوں اولاد کے لیے ضروری ہیں۔ ماں مرجائے تو باپ سنبھال لیتا ہے' باپ مرجائے تو ماں اپنے پروں میں سمیٹ لیتی ہے اور خدانخواستہ دونوں مرجائیں تو بچے یتیم ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ تم لوگوں کی ماں مرچکی تھی اور میں خود کو کیسے مارلیتا۔ مجھے تم لوگ عزیز تھے۔ تم لوگوں کو خوش دیکھنا میری زندگی تھی۔ میں نے خوشی سے کیا ہے ایسا۔ حالانکہ مجھ پر سب نے شادی کے لیے بہت زور ڈالا' لیکن میں دوبارہ آزمائش میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ میں نے کبھی تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں محسوس ہونے دی۔ رات کی تاریکیوں میں ماں کا کردار ادا کیا۔ شب کے اجالوں میں باپ کا
اگر باپ نہیں تو ماں کا سوال مت ٹالنا۔" پاپا سراپا سوال بن گئے۔
اس نے یہ کہہ کر سر جھکا دیا۔
"پاپا! مجھے زندگی گزارنے کا تجربہ نہیں اگر آپ کو کوئی شکایت ہوئی یا وقت میرے لیے آزمائش بنا تو مجھے مت موردالزام ٹھہرائیے گا۔"
وہاج احمد نے دھیرے سے اس کا شانہ دبایا۔
"تم ایک با اعتبار اور پر اعتماد شخص ہو' وقت تمہارے لیے خود فخر بن جائے گا۔ تحریم بہت اچھی لڑکی ہے' بہت سمجھدار اور پر اعتماد' دیکھنا وہ اس گھر کی تمام محرومیاں سمیٹ کر گلزار بنا دے گی۔" ان کے انداز میں یقین تھا۔
اس نے تحریم کو دیکھنے کی خواہش نہیں کی۔ تاہم تحریم جب اس کے بیڈ روم میں آگئی۔ وہ خود پر بند باندھ کر اس کی جانب بڑھا تھا۔
وہ اس دلہن کو قربت ضرور دے گا مگر محبت و اپنائیت کا احساس نہیں۔
اگر یہ اس کی ماں کی طرح نکلی تو۔۔۔! تو۔۔۔ وہاج احمد نہیں بنے گا بلکہ اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر واپس جاتا۔ چوڑیوں کی جھنکار' پازیب کی ہلچل اور زیورات کی چھن چھن واپس حال میں کھینچ لائی۔
ابھی تو یہ قصوروار نہیں ہے نا۔
نازک' خوبصورت' معصوم' روشن آنکھوں والی تحریم آفاق اس کو اچھی لگی تھی۔
لیکن!!۔۔۔ محض خوبصورتی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی نا' اس نے محبت کا لمس کھینچ کر اپنائیت کا حصار دور کر کے ضرور تا" خود سپردگی دے دی۔ اس کے دل و دماغ میں خدشات و واہمے تھے۔ ہر آن اسے یہ ہی محسوس ہوتا کہ جیسے جب بھی وہ گھر آئے گا۔ تحریم تحریم نہیں رہے گی۔ اس کی ماں جیسی بن جائے گی۔ خود غرض' خود پرست' خواہشات کی غلام پھر اس کے پاس کیا رہ جائے گا۔ وہ کیوں اپنی محبت کو مضبوط کرے اس کو اس بات کی خبر نہیں تھی کہ یہ بے اعتنائیاں بھی تو کبھی کبھی ہمارے لیے گہرے گڑھے کھود دیتی ہیں۔
"چلیے جناب!۔" وہ چونک کر سوچوں کے اتھاہ سمندر سے واپس آگیا۔ وہ آگئی تھی فیروزی جارجٹ کے کڑھائی والے سوٹ میں لائیٹ میک اپ ہلکی جیولری' دونوں کلائیوں میں بھری بھری چوڑیاں۔
"مجھے اتنی دیر تو نہیں ہوئی کہ آپ کا ارادہ بدل گیا ہو؟" آنکھوں میں مسکراتی ہوئی شوخی تھی۔
"نہیں۔۔۔! اب میں قول کا اتنا کچا بھی نہیں ہوں"۔ کھڑا ہو گیا۔
"چلیے پھر۔" وہ آگے بڑھ گئی۔
غیر ارادی طور پر گردن موڑ کر دیکھا' ہلکا سا کلپ اوپر لگا کر اس نے بالوں کے آبشار کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ عام روٹین میں انہیں فولڈ کیے رکھتی تھی۔ آج خصوصی توجہ دی تھی۔ لمحہ بھر' صرف لمحہ بھر کا احساس جاگا۔ دھیرے سے بالوں کو ہتھیلیوں میں جکڑ کر انہیں جھٹکا دے اور جھک کر کانوں کے آویزوں کو چھیڑتے ہوئے کہے آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ مگر۔۔۔!
اس نے قدم پیچھے بڑھا دیئے۔ آدمی کی انا' خود داری' بھی تو خوشیوں کے در بند کردیتی ہے۔ اس روز انہوں نے کافی انجوائے کیا۔ لانگ ڈرائیو پر نکل گئے۔ زیادہ تر تحریم ہی بولتی رہی۔ بے تکان' خوشگوار لہجے میں' عمر سنتا رہا۔
اس کی بے اعتباری' واہمے' سنگریزے بنتے جا رہے تھے۔ بے دھیانی میں اگر سنگریزوں پر پاؤں پڑ جائے تو انسان پھسلتا چلا جاتا ہے۔
سنبھلنے کی کوشش میں دونوں ہاتھ بھی پھیلاتا ہے مگر۔۔۔ اگر کسی کی توجہ کا ارتکاز ہے تو ٹھیک ورنہ۔



"سچی اور کھری محبت جو ہوتی ہے نا بیٹا! وہ بے غرض ہوتی ہے۔ ضروری نہیں ہے تمہاری پذیرائی ہی ہو بیٹا وہ لوگ محبت سے بچھڑے ہوئے لوگ ہیں۔ ان سب کو ٹوٹ کر چاہو اپنائیت دو۔۔۔ ان کے دلوں سے بدگمانی دور کرو۔ خدمت سے نہیں صرف چاہت' اپنائیت' خلوص دو' ایک دن جیت تمہاری ہوگی دیکھنا' تم سرخرو ہوگی۔"
"مگر دادا جان کچھ شنوائی بھی تو ہو۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔
"محبت شنوائی کا نام نہیں ہے' یہ تو غیر محسوس ادراک و آگہی کا سفر ہے جو خود بخود شریانوں میں دوڑے گا' تم دیکھنا جان پدر! ایک دن تم کتنی خوش ہوگی۔"
"اور اگر یہ دن آئے بغیر گزر گیا تو۔" سیاہ غزالی آنکھوں میں اندیشوں کے بادل تھے۔
"نہیں بیٹا! بدگمانی کو جگہ مت دو اور پھر جو دن آیا ہی نہ ہو' وہ گزرے گا کیسے؟۔" دادا جان کا ناصحانہ انداز فکر تحریم کے دل میں سکون و اطمینان کی لہر دوڑا دیتا تھا۔
"ان سب کو باہم مربوط کرو اور پھر اپنے خلوص' محبت' اپنائیت کے آبشار سے ان کے دلوں کی تمام تر کثافتوں کو دھو ڈالو' یہ کام ذرا دیر سے ہوگا مگر ہوگا ضرور۔ محبت سے بڑی طاقت اس روئے زمین پر کوئی نہیں' محبت سے' ہر دل موم ہو سکتا ہے بس راہ کفر کی نہ ہو۔"
"میں کوشش کروں گی دادا جان! اس آزمائش پر پوری اتروں پاپا کو سلام کہیے گا' بھائی کا فون آیا؟"
"ابراہیم بالکل ٹھیک ہے اور عدیم بھی ٹھیک ہے۔"
"اچھا دادا جان اللہ حافظ۔"
ریسیور رکھ کر لمحہ بھر کو کھڑے کھڑے گہرا سانس لیا۔
"میں بھی بے یقینی اور واہموں کا شکار ہوتی جارہی ہوں دادا جان! کہیں میں اس آزمائش میں پوری نہ اتر سکی تو؟" سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔
"مجھ سے بھی تو ماں کی محبت رب نے لے لی۔ میں تو ایسی نہیں بنی اور۔۔۔"
"کس کا فون تھا جو یوں سوچوں میں غرق ہو کہ کسی کے آنے کا احساس ہی نہیں۔" آواز اچانک اونچی ہوئی تھی۔
ڈر کر پلٹی' پیچھے عمر سنجیدہ چہرہ لیے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے سیف' لمحہ بھر کے لیے اس کا اعتماد لڑکھڑایا۔ مگر نہ وہ کمزور تھی نہ گناہ گار پھر خوف کیوں۔
"دادا جان کا۔" اس نے آرام سے جواب دیا۔
"اتنی لمبی بات۔" سیف کی آنکھوں میں بے اعتباری تھی۔
"جناب! میرے دادا جان ہیں اور میں ان سے اتنی لمبی لمبی گفتگو ہی کرتی ہوں' وہ میری ممی بھی ہیں' دادی بھی گائیڈ بھی' دوست مہربان بھی' ناصح بھی اور میری بہت اچھی سہیلی بھی۔"
وہ آگے بڑھ کر ان کے سامنے صوفے پر بیٹھی۔ اس کے چہرے پر سچی چمک اور لہجے میں مہک تھی۔ لمحہ بھر کو دونوں بھائی اس چاندنی میں بھیگ گئے۔
"کافی دن ہو گئے تھے' ملے ہوئے' اس لیے آج فون کیا' پورا ایک گھنٹہ بات کی ہے اور وہ آپ کو پوچھ رہے تھے۔" وہ عمر کی جانب متوجہ ہوئی۔
"تب ہی ایک گھنٹہ سے فون نہیں مل رہا

تھا۔" سیف ہنوز سنجیدہ تھا۔
"تو تم دوسرے نمبر پر کرلیتے۔" اس نے اپنائیت سے کہا۔
"آپ فارغ ہوتیں تو ریسیو کرتیں۔" وہ اخبار اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اس کا انداز، لہجہ ایک منٹ کے لیے اسے ہکا بکا کر گیا۔ (خلوص، محبت، تو چٹانوں میں دراڑیں ڈال دیتا ہے۔)
ابھی تو لفظوں کی بازگشت بھی موجود تھی۔
اس کے لہجہ میں کچھ تھا جو اس کی آنکھیں بھیگ گئیں، پلٹ کر عمر کی جانب دیکھا، شاید یقین کے کسی لفظ کی امید پر، مگر وہ سر جھکا کر موزے اتار رہا تھا۔
"میں چائے لاتی ہوں۔" پھسلتے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے وہ تیزی سے باہر بھاگی، یکدم ہی اس کا دل بھر آیا تھا۔
لیکن باہر سے وہاج احمد اور جنید اندر آرہے تھے۔ آنسو پینے کی کوشش کی، باہر والے دیکھ لیتے تو مطمئن کرنا مشکل ہوتا۔ اندر والے کو شاید پروا بھی نہیں تھی۔ رک کر ذرا سا رخ موڑ کر بھیگا چہرہ صاف کیا۔ عمر نے حیرانی سے اس کو دیکھا تھا۔ وہاج احمد اور جنید اندر آگئے۔
"السلام علیکم"
"وعلیکم السلام بھابھی جان جیتی رہیے"
جنید نے شوخی سے اور پاپا نے ہلکے سے اشارے سے جواب دیا۔
"پاپا چائے پئیں گے۔"
"نیکی اور پوچھ پوچھ، ساتھ میں کچھ وغیرہ وغیرہ بھی ہو....."
"اچھا....." وہ کچن کی طرف جانے لگی۔
"بیٹا! آپ کیوں، آپ خانساماں سے کہیے۔"
"نہیں پاپا! مجھے آپ سب کے لیے کچھ کرنا اچھا لگتا ہے۔" وہ خود کو نارمل کرکے مسکرائی۔
"سراسر فریب، جھوٹ، مبالغہ، آرائی" تیکھے اور متلون مزاج کے حامل شعیب نے اندر آتے ہوئے سنا تو بے اختیار سوچا۔
"پاپا! آج تو میں نے کھانا بھی خود پکایا ہے۔ آپ کو پسند آئے گا۔" اس کے لہجے میں فخر تھا۔
"بیٹا! آپ نے کیوں پکایا، خانساماں کہاں تھا، آپ کتنی تھک گئی ہوں گی۔" ان کے لہجے میں بچوں والا مان و پیار تھا۔
"آپ کو پسند آگیا تو سمجھیں، محنت وصول ہوگئی۔" وہ عمر سے نگاہ چرا کر مسکرائی۔ اور باہر نکل گئی۔
اور اس کی پل پل بدلتی شخصیت، موڈ اور سیلف کنٹرول پر عمر حیرت زدہ تھا۔
"بہت اچھی لڑکی ہے تحریم، بیٹا! اسے کوئی دکھ نہ دینا، کم عمر ہے ہر بات محبت سے سمجھایا کرو۔"
وہاج احمد کہہ رہے تھے اور عمر، عمر وہاج احمد تو سوچ کی کسی اور نہج پر تھا عالم حیرانی کے سمندر میں غلطاں۔
وہاج احمد کو کھانا بہت پسند آیا تھا۔ بہت عرصے بعد عورت کے ہاتھ کا کھانا بنا تھا۔
سب نے سر جھکا کر کھایا۔ بس جنید تھا جو بول رہا تھا۔
رات کو وہاج احمد نے خاص طور پر تحریم کو اپنے کمرے میں بلا کر ایک انگوٹھی نکال کر دی۔
"یہ کیا پاپا۔"
"تمہاری بہو نے آج پہلی بار کھانا پکایا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر سر پر ہاتھ رکھا۔
"اوہ۔" وہ مسکرادی۔ ڈھیروں خون بڑھ گیا۔
"آپ کو اس رسم کا علم ہے پاپا۔" اس نے مسرت سے کہا۔
"ہاں، اسے نیک شگن کہتے ہیں، میری اماں نے اپنی دونوں بڑی بہوؤں کو یہ شگن دیا تھا بس عمر کی ماں ہی بدنصیب عورت تھی۔"
"تھینک یو پاپا مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔" اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔
"خوش رہو بیٹا۔" انہوں نے دعا دی۔
اس گھر میں تمہیں کوئی تکلیف کسی سے بھی ہو چاہے عمر ہی کیوں نہ ہو مجھ سے کہنا، تم اس گھر کی بہو نہیں بیٹی ہو۔ اور بیٹیوں کا تو بہت حق ہوتا ہے۔"
تحریم نے فرمانبرداری سے سر جھکالیا۔ منزل دور

نہیں تھی بس راستہ تھوڑا دشوار تھا۔
وہ انہیں شب بخیر کہہ کر باہر نکل گئی۔
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر جائے اور یہ اتنی بڑی خبر دادا جان کو سنائے، وہ فون کی جانب بڑھی مگر.....
اس وقت پونے بارہ بج رہے تھے دادا جان تو سوچکے ہوں گے۔ ہاتھ کھینچ لیا کیسے بتائے..... عمر کو۔
مگر وہ کون سا خوش ہو کر سنے گا۔ اس کا گریز یاد آگیا۔
"خلوص، اپنائیت، اور محبت میں اٹھا ہوا ہر قدم ایک دن اس کے بنجر وجود کو محبت کا نخلستان بنادے گا۔"
اس کے دل سے آواز اٹھی۔
بے خودی سی بے خودی تھی، وہ سوچتی کاریڈور میں بڑھ رہی تھی۔
اور عمر بارہ بجے اسے دیکھنے کے ارادے سے باہر نکل رہا تھا بیڈ روم کے دروازے پر دونوں ٹکرا گئے۔
"اوہ۔" عمر نے جلدی سے اسے سنبھالا۔
"چوٹ تو نہیں لگی۔" (نہیں ایسی خوبصورت چوٹیں تو لگتی رہنی چاہئیں کہ..... کہ)
"اب تو لگ گئی، کیا کیا جائے۔" عمر سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ خود بخود شوخ ہو جاتا تھا شوخی اس کی ذات کا حصہ بھی تو تھی۔
"سوری۔" عمر سنجیدہ تھا۔
"کوئی بات نہیں، یہ دیکھیں، پاپا نے مجھے انعام دیا کھانا پکانے پر۔" اس نے سیدھا ہاتھ آگے کردیا۔ ارقون کی لمبی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔
"مبارک ہو۔"
"تھینک یو اور آپ کی طرف سے انعام۔" اس نے شوخی سے ہاتھ پھیلایا۔
"کیا لو گی؟" ابھی تک اس کے ہاتھ تحریم کے شانوں پر تھے۔
"تحفہ پوچھ کر نہیں دیا جاتا۔"
"مگر فرمائش تو تمہاری جانب سے ہوئی ہے۔"
"انتخاب آپ کرلیجیے۔" اس نے ناز بھرے لہجے میں کہا۔
وہ گھوم کر اندر چلا گیا۔ اس نے بھی قدم بڑھا دیے۔
"یہ لو، اپنی پسند سے کچھ خرید لینا۔" اس نے کچھ نوٹ اس کی جانب بڑھا دیے۔ کچھ پس و پیش کے بعد اس نے لے لیے۔
اظہار کسی بھی انداز سے ہو معنی رکھتا ہے۔ آج شادی کے اتنے مہینوں بعد اس نے عمر کی آنکھوں میں ایسی بے ساختہ چمک دیکھی تھی، مان و گیان والی، ورنہ تو بس لیے دیے والا انداز۔
لیکن آج بے ساختہ رخ موڑ کر سوئے ہوئے عمر کو دیکھا۔ کس قدر مان دیا تھا۔ ایک دم سے ہی وہ نئے احساس سے مسکرادی کس قدر قریب تھی وہ عمر کے۔
"دیکھنا تحریم! اب تم، تم ایک دن ان سب کو ان سے چرالو گی۔" کوئی اس کے اندر چہکا۔ مسکرا کر کروٹ بدلی اور پھر چونک گئی۔
سوئے ہوئے عمر کے ہاتھ پر غیر ارادی طور پر ہاتھ ٹھہر گیا تھا۔ پہلے جھجکی پھر آنکھیں موندلیں۔ بے مہار کے مسافر کو کسی انداز سے ہی تو احساس دلانا تھا اپنے ہونے کا۔
نرم و گداز لمس اور چوڑیوں کی چبھن سے عمر کی آنکھ کھلی اور اس کے ہاتھ پر ٹھہر گئی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ایک سکون سا چہرے پر بکھرا ہوا تھا۔ گزشتہ استعاروں کی روشنی میں دل چاہا، جھٹک دے مگر اسے خود سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے تحریم کا ہاتھ جھٹکا کیوں نہیں اور ایک نئی روشن، تازہ صبح نے دونوں کو الگ الگ ایک نئی آگہی، ایقان کا درس دیا۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ مطمئن تھے۔



"میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے۔ پلیز مجھے ڈسٹرب مت کیا کریں۔ میں الگ مزاج کا شخص ہوں، یہ سب چونچلے مجھے پسند نہیں ہیں۔" شعیب کے اکھڑ اور بد مزاج لہجے نے لمحہ بھر کو سن کردیا۔
"آپ میرے روم میں خانساماں کو بھیج دیا کریں، خود آنے کا تردد نہیں کیا کریں۔" وہ ذرا بھی اپنے لہجے اور انداز پر شرمسار نہیں تھا۔
"لیکن شعیب! میں تو....."

"بس آپ میری بات کو آخری مرتبہ سمجھیں اور آئندہ زحمت مت کریں۔" وہ رخ پھیر کر دریچے میں کھڑا ہو گیا۔

"یہ گھر ہے شعیب! اور گھر میں لوگ یوں الگ تھلگ نہیں رہتے۔ تم میرے بھائی جیسے ہو' مجھے نہیں اچھا لگتا کہ تم......"

"آپ کو کیا اچھا لگتا ہے اور کیا نہیں' یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں یوں ہی الگ تھلگ رہنے کی عادت ہے اور ہم مطمئن ہیں۔" اس کا لہجہ مزید تندو ترش ہو گیا۔

"یہ اطمینان نہیں' آدم بیزاری ہے۔"

"کچھ بھی ہو مگر آپ کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں' عورتوں کی خصلت بہلے رجھاتی ہیں' اپنا گرویدہ بناتی ہیں اور پھر مرغ بسمل کی طرح چھوڑ جاتی ہیں۔ ہم لوگ اس معاملے میں بہت تجربہ کار ہو گئے ہیں' آئندہ ایسے حربے استعمال مت کریں۔"

اس کو لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے بد صورت رویے' تلخ لہجے اور سخت الفاظ کا احساس نہ ہوا۔ وہ تو یوں گویا تھا جیسے اس کے سامنے ایک مجرم کھڑا ہو اور وہ سر بازار کوڑے لگا رہا ہو۔

"آپ جا سکتی ہیں۔" اس نے بے زاری سے کہا۔

"یوں زندگی نہیں گزرتی شعیب! الگ تھلگ انسانوں سے کٹ کر میں تمہاری بھابھی ہوں۔ بہن ہوں' اعتبار' اعتماد' یقین تم خود کو تنہائی کا شکار مت کرو' یوں زندگی سے فرار۔" وہ نصیحت کرنے سے باز نہ آئی۔ شعیب ایڑیوں پر گھوم کر سامنے آیا۔

"جو لوگ اعتبار چھین لیتے ہیں پھر ساری عمر اعتماد لوٹا نہیں سکتے اور مجھے کسی یقین دہانی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جاتی ہیں یا میں چلا جاؤں۔"

وہ سخت مشتعل ہو رہا تھا' مٹھیاں بھینچ لی تھیں' رگیں تن گئی تھیں۔

وہ پلٹ آئی۔ "برسوں کی کثافتیں دنوں میں تھوڑی صاف ہو سکتی ہیں۔ خواہ کتنے ہی بلیچ کے پیکٹ ڈال دیے جائیں۔" اور کافی دیر سے ان دونوں کی گفتگو سنتا جنید اسے سر اٹھا کر یوں لان کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا دیکھتا رہا۔ ساری گفتگو اس نے دھیان سے سنی تھی۔

"یہ بھی تو عورت ہیں۔ وہ بھی عورت تھیں۔ یہ کس قدر مختلف مزاج و انداز کی ہیں۔ ہم ان کے بظاہر کچھ نہیں مگر یہ ہمیں باہم مربوط و مضبوط کرنا چاہتی ہیں۔ اف! شعیب کا لہجہ انداز کس قدر تندو ترش تھا۔ کوئی اور عورت ہوتی تو منہ پر تھپڑ مار کر چلی جاتی۔ مگر یہ۔" خالی کاریڈور کو دور تک دیکھا۔

کس قدر مضبوط اعصاب اور زبردست ضبط' صبرو تحمل کی تصویر تھی۔ جنید اس کے اخلاق' اخلاص سے متاثر تھا۔

بے شک اس نے شعیب کے سامنے خود کو مضبوطی سے کھڑا کیا ہوا تھا مگر اپنے بیڈ روم میں آ کر وہ اتنی ہتک پر بے اختیار روئی تھی۔

"میں ہار جاؤں گی دادا جان! ہار جاؤں گی۔ آپ نے میرے لیے غلط راہ کا انتخاب کیا ہے۔"

"بس تحریم ابھی سے گھبرا گئیں۔"

"خدا تو ان ہی لوگوں کو آزمائش کے لیے منتخب کرتا ہے جو آزمائش کے قابل ہوں۔ خدا تمہیں ہمت دے گا' حوصلہ تو بلند رکھو۔"

دادا جان اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"ان کے سہارے وہ کھڑی ہو کر ستاتی تھی۔ ٹھنڈا سانس لے کر تازہ دم ہوتی تھی۔ ایک نئے جذبے کے ساتھ وہ چل پڑتی تھی۔ اس کے اخلاق کے جواب میں شعیب نے جو تندو تلخ رویہ اختیار کیا' جواب میں اس کا صبرو تحمل۔ اس کے وجود میں دراڑ ضرور ڈال گیا ہو گا اور دراڑ خواہ کتنی ہی باریک ہو' وہاں سے طلوع ہوتی صبح کا ضرور پتا چلتا ہے۔ شعیب کے رویہ پر جنید شرمندہ تھا۔

......*

"اتنی دیر سے کیوں آتے ہیں فاروق بھائی! جانتے ہیں کہ حالات کس قدر خراب ہیں۔ پل کی خبر نہیں اور اب رات کا ایک بج رہا ہے۔" اس کی آواز پر فاروق نے تیزی سے سر اٹھایا تھا۔ آج تک کسی نے

اس کے دیر سے آنے جانے پر سوال نہیں کیا تھا پھر ...... اس کی پیشانی کی رگیں تن گئیں۔

"میں ہمیشہ ہی اس وقت آتا ہوں۔"

"آپ نے کھانا کھایا؟ پپا آپ کا پوچھ رہے تھے۔ ہم لوگوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا کریں' اچھا لگتا ہے۔ ایک فرد بھی دستر خوان سے کم ہو تو کمی کا احساس رہتا ہے۔ پھر رات کے بارہ بجے کون سے آفس کھلے رہتے ہیں۔" اس کے انداز میں بہنوں والا یمان و اتفاق تھا۔ فاروق رک گیا۔ وہ اپنی دھن میں تھی۔

"کل سے ایسا نہ ہو۔ جلدی گھر آیا کریں۔"

"پلیز بھابھی صاحبہ!" اس نے سختی سے کہا۔

"میں دخل در معقولات کو سخت ناپسند کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آئندہ آپ اس کی زحمت نہیں فرمائیں گی۔" اس سرد لہجے کی اسے توقع تھی۔

"آپ اس گھر کے فرد ہیں' آپ کا فرض ہے گھر کے لوگوں کو وقت دیں۔" فاروق بھونچکا سا رہ گیا۔

زندگی میں یہ پہلی بار ہوا تھا۔ کوئی اسے اس کے فرض و ذمہ داری کا احساس دلا رہا تھا۔ مگر واہموں کے قافلے تو ساتھ ساتھ رواں رہتے ہیں۔

"آپ کون ہوتی ہیں میرے فرائض بتانے والی۔" لہجہ کھا جانے والا تھا۔

"کیا میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"صرف اتنا کہ میرے بھائی کی بیوی ہیں آپ بس۔"

"اور آپ کی۔؟"

"میں عورت ذات کا نہ احترام کرتا ہوں اور نہ اسے قابل اعتبار جانتا ہوں' یہ تو محض۔" ایک نگاہ اس پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔

"یا اللہ۔" وہ اسے جاتے دیکھتی رہی۔ "یہ کیسے سدھریں گے۔"

وہ وہیں ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ عمر کو کون سی پروا ہو گی کہ رات گئے ان کی نصف بہتر کہاں ہے۔

......*

نجانے کیوں اسے ان سب محروم محبت لوگوں سے محبت ہوتی جا رہی تھی۔ کسی صلے و ستائش کی تمنا کیے بغیر وہ ان کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ اس گھر سے تعلق اور رشتے کا کمال تھا یا دادا جان کے ناصحانہ انداز کا اعجاز' یا پھر اس کے اندر کی نرم مزاج' حساس' نازک آبگینوں جیسی تحریم کا کمال۔

یہ ہی وجہ تھی کہ شعیب' سیف' فاروق نے جو کچھ بھی کہا' وہ ہرٹ تو ہوئی مگر مایوس نہیں۔ اس طرح سے ان کے اندر کا غبار کچھ تو نکلا تھا۔ غبار نکل جاتا' دھند چھٹ جاتی' تمام کثافتیں دھل جاتیں تو پھر تمام منظر اور ماحول خود بخود ہی صاف و شفاف ہو جاتے۔

"یہ تم آدھی رات کو لان میں کیا کر رہی تھیں۔؟" صبح عمر پوچھ رہا تھا۔

"اف۔" تو انہوں نے نظر انداز کیا تھا' غافل نہیں تھے۔

"آپ جاگ رہے تھے تو آ جاتے لان میں۔"

"تم کیا کر رہی تھیں وہاں۔؟" اس کی شوخی کے جواب میں سوال ہنوز برقرار تھا۔

"مجھے رات کو دیر سے سونے کی عادت ہے' آپ کو جلدی پھر میرا دل بھی گھبرا رہا تھا۔ اس لیے لان میں چلی گئی۔ اور گھر کا ایک فرد بھی رات گئے تک باہر رہے تو میں بے چین ہو جاتی ہوں۔ فاروق بھائی سے کہیے گا' جلدی آیا کریں۔ رات بھی ایک بجے کے قریب آئے ہیں۔" اس نے خاصا تفصیل سے جواب دیا۔

عمر آستین فولڈ کرتے کرتے رک کر اسے دیکھنے لگا جو اس وقت کسی ذمہ دار خاتون خانہ کی طرح بول رہی تھی۔

"یہ لڑکی کس قدر......" آگے سمجھ ہی نہیں آیا کیا کہے۔

معلوم نہیں یہ عورت کا کون سا روپ ہے خیال' خواب ہے یا گمان۔ حقیقت میں تو آج تک اس روپ میں نہیں دیکھا۔ عمر باہر نکل گیا۔

"ٹیک اٹ ایزی تحریم! بس ابھی سے۔ ابھی تو بہت راستہ باقی ہے۔"

گہرا سانس لے کر وہ بستر پر گری۔ کشن چہرے پر

رکھا اور آنکھیں موند لیں۔ تیزی سے اندر آتا عمر ٹھٹک گیا۔

"کہیں طبیعت تو خراب نہیں۔" وہ آگے بڑھا پھر رک گیا۔

"مکرو فریب، ڈھکوسلہ، سب رجھانے کے انداز۔"

جنید، تحریم کے بے لوث جذبے کی قدر کرنے لگا تھا۔ اسے انسانی رشتے، ناتوں کی سمجھ بوجھ تھی۔ اچھائی برائی میں تمیز کر سکتا تھا۔ قصور تو ماں کا تھا۔ خلا اس کی زندگی میں بھی تھا مگر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ عورت ذات کا احترام بھی کرتا تھا۔ اس کی زندگی میں تین عورتوں کا عمل دخل تھا۔

ماں! جس نے ماں کے تقدس کی پامالی کا احساس دلایا جو اس لائق ہی نہیں۔ وہ ماں سے نفرت کرتا تھا، عورت سے نہیں۔

نگین! وہ دوسری عورت تھی جس نے خوش رہنا، زندگی سے پیار کرنا، محبت کرنا سکھایا۔

بھابھی تحریم! جس کے بے لوث جذبے، محبت و خیال کے انداز نے اسے گرویدہ کر دیا تھا۔ ورنہ کون اس درجہ ہتک ـــ کے بعد یوں درگزر، صبرو تحمل، صبرو برداشت سے کام لیتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اکثر اس کے پاس بیٹھتا، باتیں کرتا، سمجھاتا۔

*ـ*ـ*

وہ لان میں اکیلی بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ جمیلہ بھی کہیں گئی ہوئی تھی۔ اس وقت کوئی بھی گھر پر نہیں ہوتا۔ کتنے دن ہو گئے تھے دادا جان کو دیکھے ہوئے، اچھا کل جاؤں گی۔ خود سے کہا۔

تب ہی گیٹ کھلا اور جنید بائیک پر اندر آ گیا۔

"آہا! اتنا خوبصورت موسم، چائے، ساتھ لوازمات، اف یہ بھائی میاں کہاں ہیں۔" وہ مسکراتا ہوا ادھر ہی آ گیا۔

اکثر اسے یقین ہی نہیں آتا تھا۔ یہ ان سب کا خون، ان سب کا بھائی ہے۔ جو بد مزاجی کے تمام ریکارڈ توڑ رہے تھے۔

"کیا دیکھ رہی ہیں۔؟" وہ چیئر پر بیٹھا۔

"دیکھ رہی ہوں کہ تم کتنے مختلف ہو۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"ارے زندگی کا مزا ہی مختلف اور منفرد ہونے میں ہے۔ جیسے میں مختلف، آپ مختلف، ہماری پوری فیملی مختلف، آپ کے دادا جان مختلف۔" تحریم ہنس دی۔

"اسی خوشی میں چائے۔" اس نے کپ بڑھایا۔

"بھائی نہیں آئے؟" اس نے کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کب دن میں آتے ہیں۔ پپا کے ساتھ ہی آئیں گے۔"

"ویسے میں نے سوچا تھا کہ شادی انسان کو بدل دیتی ہے مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں بدلا۔ وہی دن رات کی مصروفیت، وہی آدم بیزاری۔ وہی پیشانی کے نمایاں بل، تنی ہوئی رگیں۔"

"جنید!" تحریم سنجیدہ ہو گئی۔ "میں کچھ بھی تبدیل نہیں کر سکتی۔" اس کا لہجہ کمزور ہو گیا۔

"آپ ابھی سے ہمت ہار گئیں، ابھی تو صرف۔"

"جنید! ہمت بھی تو وہاں ثابت قدم رہتی ہے جہاں پر آس و امید کی بنیاد مضبوط ہو۔"

"بھابھی! ماں کے رنگ انسان کی شخصیت پر نمایاں ہوتے ہیں جس عمر میں ماں بچے کو رنگوں سے کھیلنا سکھاتی ہے، اس کی ذات کو ایقان بخشتی ہے۔ تربیت کی راہوں سے گزارتی ہے۔ اس عمر میں ہماری ماں نے ہمیں چھوڑ دیا۔ اسے اپنی زندگی بہت عزیز تھی۔ وہ اپنے خوابوں اور خوشیوں کی تکمیل چاہتی تھی۔

جس دن ہماری ماں ہمیں بے یارومددگار چھوڑ کر گئی تھی، اس روز بہت حبس تھا اور ہم پانچوں بھائی ایک کمرے میں بیٹھے تھے۔ چپ، خاموش، ساکن، بے آواز، بے تاثر آنکھوں سے دیکھتے ہوئے۔ آج میں اس لمحے کو سوچتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم لوگ ایک اجتماعی قبر میں دفن ہو چکے ہیں۔ پھول ڈالنے والے ہاتھ پھول پھینک کر جا چکے ہوں۔"

ایکدم ہی وہ سنجیدہ ہوا۔ اس کی نگاہ غیر مرئی نقطے پر مرتکز تھی۔

"اور واقعی جو ہاتھ ہمیں جھولا جھلاتے تھے، کھلاتے، پلاتے تھے وہی ہاتھ ہمیں تپتی، پتھریلی سنگلاخ زمین پر پھینک کر جا چکے تھے۔ کیا ماں ایسی سفاک ہو سکتی ہے۔ ہم لوگ حیران رہ گئے تھے اور یہ تحیر آج بھی ہماری رگوں میں سانس لے رہا ہے۔ ماں کے جانے کا اتنا دکھ تھا کہ اس کے بعد کسی محبت پر اعتبار نہیں رہا۔ کچھ عرصہ دادی اور پھپھو نے سمیٹا پھر پھپھو کی شادی ہو گئی۔ محبت سے اور اعتبار اٹھ گیا۔ دادی جان کا انتقال ہو گیا۔ بے اعتباری مزید عود کر آئی۔ محبت کرنے والی عورتیں ہمیں راس نہیں آئیں۔

اب ہمیں کسی بھی محبت کا یقین نہیں آتا۔ کہیں محبت بھی بے وفا نہ ہو جائے۔ اسی لیے ہماری شخصیتوں میں جھول ہے، بس جی رہے ہیں، زندگی گزار رہے ہیں۔ یقین کریں ہم لوگ جو اتنے مصروف نظر آتے ہیں نا تو ہم لوگ اتنے مصروف نہیں ہوتے، بس ایک دوسرے سے نگاہ چراتے ہیں۔ پپا نے ہمارے لیے خود کو وقف کر دیا لیکن وہ ایک خلا، ایک کمی جو رہ گئی ہے، اسے بھر نہیں سکتے۔ اس لیے ہم لوگ خود غرض ہو گئے۔"

آج جنید نے پہلی بار اس سے اتنی لمبی بات چیت کی تھی۔ اس پر بہت کچھ آشکار ہوا۔ دھیرے سے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو مسلا، اسے دیکھا۔

"اب ہم بھائی کسی بھی محبت کا اعتبار نہیں کرتے اور تو اور ہم آپس میں بھی نہیں کرتے کہ محبت چھن نہ جائے۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

بظاہر لاابالی، لاپروا نظر آنے والا جنید اندر سے اتنا رنجیدہ، دکھی، پرملال اور گہرا تھا تو باقیوں کا کیا حال ہو گا۔ اف! اتنی اذیت، اتنا دکھ۔

"چاند نکل آیا ہے۔" وہ یک دم گیٹ کی جانب دیکھ کر ہنسا۔ اس نے نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ عمر کی بلیک شیراڈ اندر آ رہی تھی۔ "چاندنی چٹک چکی ہے۔" اسے دیکھ کر مسکرایا۔ وہ بھی یکدم بلش ہو گئی۔

"ایک خوبصورت روشنی پھیلنا چاہتی ہے۔" ذومعنی استعارہ تھا۔ بے اختیار دونوں ہنس دیے۔

"بے شک، آمین۔" اور ایک مرد کی فطری شکی طبیعت کے زیر اثر عمر نے بے ساختہ ہی چونک کر انہیں دیکھا۔ لحہ بھر کو ٹھہرا اور پھر ادھر ہی آ گیا۔

چہرے پر سنجیدگی کی دبیز تہہ پھیلنے لگی۔ تحریم سنبھل کر بیٹھی اور اس سنبھلنے کو عمر نے عجیب رنگ میں دیکھا۔

"میرا خیال ہے، بہت اچھی اچھی باتیں ہو گئیں۔ اب اچھی سی چائے ہو جائے۔" جنید چہکا۔

"ہاں کیوں نہیں اور چائے میں خود بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر عمر کو دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

"چائے کے ساتھ کچھ اور۔" ذومعنی سا اشارہ تھا۔

"کیوں نہیں۔ تم فریش ہو جاؤ اور سنیں آپ بھی۔ میں چائے لے کر ادھر ہی آتی ہوں۔" وہ متبسم لہجے میں کہتی پلٹ گئی۔

عمر غیر ارادی طور پر اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"بھائی! خیریت تو ہے نا۔" جنید نے آگے ہاتھ ہلایا۔

"ہوں!" وہ سنجیدگی سے اٹھ کر اندر بڑھ گیا۔

"اف!" جنید اسے جاتا دیکھتا رہا اور پھر چہار اطراف نظر دوڑائی۔ ٹھنڈا اور گہرا سانس لے کر اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

*ـ*ـ*

جنید کی گفتگو نے اس کے اندر اور جوش و ولولہ پیدا کر دیا تھا وہ اور جذبے سے وہ ان کے دکھ سمیٹنے میں لگ گئی مگر ان کے اکھڑ انداز، جارحانہ فطرت، سیاہ آنکھوں کی سرخی ختم ہونے میں ہی نہ آتی۔

شادی کو ایک سال ہونے کو تھا اور سب کا انداز و رویہ ہنوز برقرار تھا۔ ان کے سخت اور طنزیہ لب و لہجے کے باوجود وہ مسکراتی رہتی۔ اپنی پیشانی پر بل نہ آنے دیتی۔ کہیں یہ لوگ ایک بار پھر مایوس نہ ہو جائیں۔

مسکرا کر ان کے انگارے سمیٹتی تھی اور پھول راہوں پر بکھراتی رہتی، حالانکہ رات ہی سیف کا انداز جارحانہ تھا۔ جب اس نے شوق سے بنایا ہوا خوبانی کا میٹھا سیف کے آگے کیا۔

"یہ میں نے تمہارے لیے بنایا ہے۔" اس کے لہجے میں شوق تھا۔ اس نے لب بھینچ کر ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"میں نے کتنی دفعہ کہا ہے آپ ہمارے لیے اتنا تردد نہ کیا کریں۔ ہم لوگ اس عیش کے عادی نہیں، ہماری عادتیں مت بگاڑیں۔ عادتیں بگڑ جائیں تو بہت دکھ دیتی ہیں۔" اس کے اندر کا معصوم بچہ شاید آج بھی دکھ کی لپیٹ میں تھا۔

"مجھے اچھا لگے گا تم لوگوں کی عادتیں بگاڑ کر۔" لہجے میں محبت بھرا مان تھا۔

"ہاں آپ کو، آپ کو بھی اچھا لگے گا ہمارا تمسخر اڑا کر۔ آپ کو بھی اچھا لگے گا۔ ہماری زندگی کو مذاق بنا کر۔" وہ ایک دم سے مشتعل لہجے میں کہتا اٹھا اور باہر رہ گیا۔ تحریم اس کے انداز پر ساکت ہو گئی۔

وہاج احمد، عمر اور جنید نے ہاتھ روک لیا۔ تیزی سے آتا شعیب ادھر ہی رک گیا۔

"کیا ہوا اسے۔؟" وہ آگے بڑھا۔

"کچھ نہیں، ایسے ہی دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہاج احمد شرمندہ تھے۔

"دماغ خراب یوں ہی نہیں ہوا کرتے پپا۔ موقع دیں تو ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں آنچ تھی۔ نگاہ تحریم پر۔

"اور برائے مہربانی آپ، بھابھی صاحبہ! مت اہمیت دیں ہمیں۔ مت ہمیں ہونے کا احساس دلایا کریں۔ ہم صدیوں سے اس ماحول میں رہ رہے ہیں اس کو بدلیں مت، یہاں کچھ بھی۔" شعیب شاید سن چکا تھا، اس کا تنبیہہ کرتا لہجہ۔ شعیب پلٹ گیا۔ وہاج احمد نے سر پکڑ لیا۔

عمر پانی کا گلاس ہاتھ میں تھامے خاموش سا تھا۔ جنید پانی پانی ہو رہا تھا۔ بھائیوں کے تلخ انداز اور گستاخ لہجے پر، پاپا کی خاموشی پر، عمر کی نظراندازی پر۔

"ڈیواٹ چلیں پاپا شروع کریں۔ یہ لوگ تو بس ایسے ہی۔۔۔ ہو جائیں گے ٹھیک۔"

دل میں گرتے آنسو کون دیکھتا ہے اور جنید ایمان لے آیا۔ اس کے صبر پر، بلند کرداری پر۔ غضب کا صبر واستقامت تھا۔

تحریم، زندگی میں بہت کم روئی تھی مگر اسٹڈی روم میں بلا کر جب وہاج احمد نے اس کے سامنے سر جھکایا اور دھیرے سے کہا۔

"مجھے معاف کر دینا میرے بچے۔!" تو بے ساختہ اس کے آنسو چھلک پڑے۔ دھیرے سے ان کے قریب آ گئی۔

"تم بہت اچھی ہو۔ اس گھر کے قابل ہی نہ تھیں۔ یہ سب سرد مزاج لوگ ہیں اور تم۔"

"پپا! مجھے آپ کے لہجے میں شرمندگی اچھی نہیں لگی۔"

"جن بچوں کو ماں کا پیار نہ ملے، وہ یوں ہی بھٹک جاتے ہیں۔"

"مجھے کوئی رنج و ملال نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کچھ کہتے ہیں تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ ان کے اندر کا غبار دھلتا ہے۔ دیکھیے گا جلد منظر صاف ہو جائیں گے۔" اس کے لہجے میں یقین کی دولت تھی۔ وہاج احمد نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔



اس روز بڑی چاہ سے اس نے سیف کو آواز دی۔

"پڈنگ کھا لو، تمہاری پسند کی۔" سیف رک گیا اور پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں خالی تھی۔ چیئر کی بیک پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا۔؟" لہجے سے ماں کی ممتا عیاں تھی۔

"ہم، ہم سب لوگ یہ سب نہیں چاہتے بھابھی صاحبہ! ہماری زندگیوں میں اس حد تک دخل مت دیں کہ آپ کے جانے کے بعد ہم لوگ پھر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔" اس کے لہجے میں شکستگی اور آزردگی کے رنگ نمایاں تھے۔

"ہیں، میں کہاں جا رہی ہوں۔؟" اس نے استعجاب سے دیکھا۔

"جدائیوں کے بعد کے جو موڑ ہوتے ہیں نا یہ بہت خطرناک ہوتے ہیں اور اگر ڈھلان آ جائے تو بندہ گرتا چلا جاتا ہے، گہرائی بہت گہرائی میں۔ تنہائی اور اداسی، اور اماوس کی راتیں ہماری ذات کا حصہ ہیں۔ ہمیں

ہمارے حالوں پر چھوڑ دیجیے۔" اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"ادھر آؤ میرے بھائی!" اس نے دھیرے سے ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔ بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرا، پانی کا گلاس دیا۔

"یہ میرا گھر ہے سیف! تم سب لوگ میرے ہو۔ غیر تو وہ لوگ تھے جنہیں میں چھوڑ آئی ہوں اور مہمانوں کی طرح ملنے جاتی ہوں۔ میرا یقین کرو میرے بھائی، مجھے اب کہیں نہیں جانا۔ میں تم لوگوں کو اپنا سمجھتی ہوں پھر کیسے اکیلا دیکھ سکتی ہوں۔ یہ زندگی ہے میرے بھائی! یہاں کسی کو حسب آرزو نہیں ملتا۔"

"نہیں، بدنصیبی ہی ہمارا مقدر ہے۔ ہر کوئی ہمیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اب، اب۔" نگاہ اضطرابی تھی۔

"نہیں، ہر کوئی ہر جیسا نہیں ہوتا۔ یہ فرق و امتیاز ہمیں خود آگہی سے حاصل ہوتا ہے اگر ہم لکیر کے فقیر نہ بنیں۔ بڑی عجیب سی بات ہے۔" اس نے چہار اطراف نگاہ کی۔

"اس گھر کے در و دیوار کو ایک جیسا ماحول دیکھنے کی عادت ہے۔ یہ بھی اب تبدیلی کو پسند نہیں کریں گے۔" وہ ایک دم سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ وہ جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

یہ ضرور ہوا یا تحریم نے محسوس کیا۔ اس کا تلخ لہجہ، اونچی آواز اور زہریلے لفظوں کی جگہ نرم گفتاری، دھیمے لہجے نے لے لی تھی۔ گویا وہ ہاری نہیں تھی۔ ایک پر یقین مسکراہٹ نے لبوں کو چھو لیا۔



عمر آج کل تحریم کے نرم گرم رویے سے بہت ہرٹ ہو رہا تھا اور وہ اس کی ساری پریشانیاں سمیٹ لینا چاہتی تھی۔ اس کی جانب اٹھا ہوا ہر قدم اسے گہرائیوں میں دھکیل دیتا۔

"مت اتنا بناؤ سنگھار کیا کرو بازاری عورتوں کی طرح۔" جانے اس کے احساس پر کون سا گھاؤ لگا تھا۔ وہ ایکدم یک ٹک کھڑی رہ گئی۔

"نفرت ہے مجھے ان رجھانے والے انداز و اطوار سے۔ یہ شریف عورتوں کے طور طریقے نہیں ہوتے۔ کیا سمجھتی ہو تم اس طرح میرے دل تک رسائی پا لو گی۔" وہ سخت طیش میں تھا۔

"عمر۔" وہ ساکت تھی۔

"جھوٹ، مبالغہ آرائی مت کرو۔ جو چاہتی ہو کہہ دو، جو کرنا چاہتی ہو کر لو تاکہ، تاکہ ہم بھی ایک کنارے لگیں۔" اس کا دل گہرے پاتال میں تھا۔

سامنے وسیع و عریض ڈریسنگ ٹیبل میں اس کا سراپا نمایاں تھا۔ نہایت شوق سے سلوایا ہوا جدید طرز کا فاختائی کلر کا سوٹ، میچنگ کی جیولری، چوڑیاں، آئینہ بھی کہہ رہا تھا، وہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔ صرف اتنا ہی تو ہوا تھا۔ اس کا موڈ موسم کے ساتھ خوشگوار تھا۔ عمر کو بیڈ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ بے ساختہ ہی مسکرا کر اس کی جانب بڑھی تھی۔ اس کے محبوبانہ انداز کو اس نے اتنے مشتعل انداز سے بے عزت کیا تھا۔

تذلیل، ہتک اس درجے کی تھی کہ فوراً گھر چھوڑنے کو دل چاہا۔ خیال و دھیان زنجیریں ڈال رہا تھا۔ اب تو سب ذرا نرم ہوئے تھے۔ اب تو ذرا بہتری کی صورتحال پیدا ہوئی تھی۔



"میرا خیال ہے پپا، فاروق بھائی کی شادی کر دیں۔" اس نے وہاج احمد کو ایک مفید مشورہ دیا۔

"ہاں، خیال تو میرا بھی یہی ہے مگر وہ مانے تب نا۔"

"مان جائیں گے، آپ کہیں تو، نہیں مانتے تو زبردستی کر دیں۔" اس کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"ہوں۔" وہاج احمد کا لہجہ سوچتا ہوا تھا۔

"آپ ان کی پسند پوچھ لیں، اس کے بعد میں لڑکی دیکھنا شروع کرتی ہوں۔" اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

"یہ لڑکی۔" انہوں نے گہرا سانس لے کر اسے جاتے دیکھا۔ "محبت کے معاملے میں کتنی مضبوط ہے۔ کتنا خیال ہے اسے سب کا۔ کس کس طرح یہ سب کو یکجا کرنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔ نصرت آرا بیگم! کیا یہ نازک سی لڑکی تمہارے لگائے ہوئے

زخم مندمل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔"

۔۔۔۔*

"آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ میری ذاتیات میں دخل اندازی کریں۔" فاروق کچن میں اس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ بے ساختہ پلٹ کر گھومی اور تیزی سے ابلتا ہوا دودھ اس کے ہاتھ پر گرا تھا۔

"آپ... آ" وہ بے ساختہ پلٹی۔ فاروق کی آمد اچانک تھی۔ بازو چولہے سے بہت قریب تھا۔ اوپر تک جل گیا۔

"یہ آپ کے لیے بھی بہتر ہو گا کہ اپنے کام سے کام رکھیں، ہمیں کسی خیال کی ضرورت نہیں ہے۔ اس گھر میں اپنی اہمیت کا اندازہ کر کے رہیں ورنہ...." اس کو مطلق پروا نہیں تھی کہ اس کا ہاتھ کتنا جلا ہے۔ جمیلہ حیران و ساکت تھی۔ چھوٹے صاحب کتنے ظالم ہیں۔

"جو اس گھر میں آ سکتا ہے، وہ جا بھی تو سکتا ہے۔ آئندہ خیال رکھیے گا۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

اس کے انداز و اطوار، زہریلے جملے۔ وہ عالم تحیر میں اپنی اذیت بھول گئی۔ فاروق جا چکا تھا۔ گونج باقی تھی۔ نوکروں کے سامنے اتنی ہتک....

اس وقت اپنے آنسو چھپانے، خود کو سنبھالنے کے لیے گوشہ عافیت کی ضرورت تھی۔ وہ اسٹڈی میں بھاگ آئی۔

وہ تو سمجھ رہی تھی کہ ان سب کے دل نرم ہو گئے۔ احساس کی لو ان کے اندر اتر گئی ہے، مگر وہ سب تو ویسے ہی پتھریلے، کڑوے، زہریلے تھے۔ وہ لوگ شاید اس مقام پر تھے جہاں کوئی تبدیلی اثر نہیں کرتی۔ ایسا گلیشیئر تھے جو کبھی نہیں پگھلتا۔ اس کی ہر سعی لاحاصل تھی۔

اس روز اپنی بیکراں محبت کی بربادی پر بہت روئی۔ جب کسی کو ضرورت ہی نہیں تو کیا فائدہ اس قفس میں رہنے کا۔ اس کا دل بھی پل میں اچاٹ ہو گیا۔

اس کا زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت تھی مگر وہ کسی کو اپنی تکلیف بتانا نہیں چاہتی تھی۔ بہتر ہے کچھ دنوں کے لیے گھر چلی جائے۔ لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس نے آزردگی سے سوچا۔ کسی کو کیا فکر ہو گی کہیں زخم بگڑ نہ جائے۔

"چھوٹی بیگم! شعیب صاحب کو بہت بخار ہو رہا ہے۔" خانساماں نے اطلاع دی۔

"اچھا۔" اس نے ایک نگاہ اسے دیکھا۔ بازو پر دوپٹہ رکھ لیا۔ ہمدردی کی اسے ضرورت نہیں تھی۔

واقعی اسے تیز بخار ہو رہا تھا۔ وہ بے سدھ پڑا تھا، چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر علی کو فون کیا۔ خود اس کے سر پر پٹیاں رکھنا شروع کیں۔ تھوڑی دیر میں ڈاکٹر علی آ گئے۔ تفصیل سے چیک اپ کیا اور موسم کا اثر بتایا۔

"انجکشن لگا دیا ہے۔ انشاء اللہ اب بخار اتر جائے گا۔" ڈاکٹر نے اس کے فکر مند چہرے کو دیکھا۔ جنید بھی آ گیا۔ اسے تسلی ہوئی۔ جنید نے ہی دوائی پلائی۔ اب شعیب کے چہرے پر قدرے سکون تھا۔

"تمہاری بھی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔" اس نے جنید سے کہا۔

"بس فلو ہو رہا ہے۔ دوائی لی ہے، آرام کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"جاؤ پھر جا کر آرام کرو، میں ہوں ادھر۔"

اس نے محبت سے اسے بیڈ روم میں بھیج دیا اور خود شعیب کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ وہ بے سدھ پڑا تھا۔ کافی دیر بعد بخار چیک کیا، پانی مانگنے پر پانی دیا۔ رات کو اس کی آنکھ کھلی۔ تحریم اس کے پاس تھی۔

"کیسی طبیعت ہے۔؟"

"آپ یہاں؟"

"کیوں، کیا میں یہاں نہیں آ سکتی۔" اس نے بخار چیک کیا۔

"نہیں، وہ۔" اسے جواب نہ بن پڑا۔ تب ہی جنید آ گیا۔

"بیٹھو تم، میں کچھ کھانے کے لیے بھیجتی ہوں۔" وہ باہر نکل گئی۔

زندگی میں پہلی بار یوں کوئی اس کے لیے فکر مند ہوا تھا۔ شعیب کو عجیب سا لگا۔

جب تک وہ اچھا نہیں ہو گیا، تحریم نے اس کا بہت خیال رکھا۔ شعیب کا خشک رویہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ آرام سے اس کی ہر بات مان لیتا۔

ان ہی دنوں اسے اپنے اندر تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس کی طبیعت بہت بوجھل رہنے لگی تھی، اوپر سے دل کا زخم۔ کس سے کہے۔ اس وقت بھی نڈھال نڈھال ٹیرس پر بیٹھی تھی۔ کیا کرے، گھر چلی جائے مگر وہاج بھی نہ آئے تھے۔

"کہاں غائب رہتی ہو تم۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری کچھ ذمہ داریاں ہیں۔" بالکل اچانک ہی عمر کی آواز نے ڈرا دیا۔

"آپ۔" وہ خوف سے پلٹی۔

"ہاں میں! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم کس مقصد کے لیے یہاں آئی ہو۔ محض دوسروں کی خدمتیں کر کے تم کیوں ہمدردیاں سمیٹنا چاہتی ہو۔" وہ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

اس نے رخ پھیر لیا۔

"کوئی کام تھا۔؟" دشمن جاں سے نگاہ ملانا محال تھا۔

"شوہر کے کام کی نوعیت میں تمہیں بتاؤں گا۔ کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ شوہر کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔"

"آپ کو ہر بات پر اعتراض تھا، اس لیے میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔"

"گویا اب تم مجھے لیکچر دو گی۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"یہ کپڑے استری کر دو، مجھے رات کو جانا ہے۔" وہ حکم صادر کر کے اندر بڑھ گیا۔

باہر اندھیرا پھیلنے کو تھا، شام کے سائے بڑھ رہے تھے۔ اس کی طبیعت بہت مضمحل ہو رہی تھی۔ ملگجے سے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی۔

اتنے خاموش کہ رستے بھی لاعلم
چھوڑ جائیں گے یہ نگر شام کے بعد

ذرا بھی تو عمر کے چہرے پر ملال و تاسف نہ تھا۔ انسان اپنے کیے پر شرمندہ بھی تو ہوتا ہے۔ کیا میاں بیوی کے تعلقات اتنے عام نوعیت کے بھی ہوتے ہیں۔ وہ نئے تجربات کریں، پرانے مشاہدات کی روشنی میں کیوں پرکھتے ہیں۔ دنیا ختم تو نہیں ہو جاتی۔ دادا جان کہتے ہیں، دیتے جاؤ، دیے جاؤ، بے غرض۔ کوئی مدت بھی تو ہو۔ اس نے تو ہر صورتحال کا چیلنج سمجھ کر مقابلہ کیا تھا مگر اسے تو ہر محاذ پر ہی شکست ہوتی رہی۔

آج کل اسے خود سے باتیں کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔ سوچوں میں گم رہتی۔ ہر چیز سے دلچسپی مفقود ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اندر تک ڈس ہارٹ ہو گئی تھی۔ کسی کو پرکھنے، برتنے کے لیے ڈیڑھ سال بہت ہوتا ہے اور ڈیڑھ سال تک تو اس کا اعتماد ہی بحال نہیں ہوا، یقین تو دور کی بات ہے۔ آج کل طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اعصابی تھکن، جسمانی تھکن نے گھیراؤ کر رکھا تھا۔ شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی سے ڈھیر ساری باتیں کرے، کسی کے شانوں پر سر رکھ کر اپنے دکھ شیئر کرے، اپنائیت کا احساس حاصل کرے۔

رخسار بھیگے تو احساس ہوا، وہ تو رو رہی ہے۔ کیا رونا ہی مقدر ٹھہرا ہے۔ آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔

مریم دور تھی۔ بھائی سے کیسے کہے۔ دادا، پپا کو کیوں دکھی کرے۔ کیا یہ دکھ کی صلیبیں اسے خود ہی اٹھانی ہوں گی۔ آنسو بھل بھل بہے جا رہے تھے۔ آج شکستہ پائی کا احساس عروج پر تھا۔ بے خیالی میں ہاتھ میز سے ٹکرایا۔ زخم تازہ ہو گیا۔ تکلیف بڑھ گئی۔

آج تین دن ہو گئے تھے، وہ ڈائننگ ٹیبل پر نہیں گئی۔ کسی نے اس کے متعلق پوچھا تک نہیں۔

وہاج احمد کا فون آیا تو اس نے کہہ دیا۔ "وہ کچھ دنوں کے لیے پپا کے گھر جا رہی ہے۔"

"اداس ہو بیٹا۔؟"

"نہیں، دادا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ جب ٹھیک ہو جائیں تو آ جانا۔ وہاں بھی تو عورت کی ضرورت ہے۔" ان کے

لہجے میں محبت تھی۔

جس روز اسے گھر جانا تھا' اس روز بہت دیر تک پورے گھر میں گھومتی رہی۔ اپنے دکھ' اپنے اکیلے پن پر آنسو گرتے رہے۔

......*

آج اتفاق ہی تھا کہ سب ڈائننگ ٹیبل پر جمع تھے۔ بہت دن ہو گئے تھے یوں ایک ساتھ سب کا سامنا کیے۔ جنید نے بھی تو نہیں پوچھا تھا۔ بھابھی کہاں ہیں۔ اس نے اندر آ کر دھیرے سے کہا۔

"میں گھر جا رہی ہوں۔"

"ارے بھابھی! آپ آئیے نا' کہاں گم ہیں۔؟" یہ جنید تھا۔

"گمشدہ لوگ مل جاتے ہیں' خود کھو جانے والے لوگ نہیں ملتے۔" وہ دھیرے سے ہنسی۔ عمر چونک گیا۔ بے حد ستا ہوا چہرہ' سرخ روئی روئی آنکھیں' بہت سادہ سا حلیہ تھا۔ یکدم اس کے انداز نے اندر تک کچھ ہلا دیا۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ۔؟" سب اس کی جانب متوجہ تھے۔

"میرے داداجان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' انہوں نے بلایا ہے۔"

"یہاں بھی تو کوئی نہیں ہے بھابھی۔" جنید نے اسے دیکھا۔

"یہاں میرے نہ ہونے سے کسی کو فرق نہیں پڑے گا۔ یہ کار جہاں ہیں۔ سب سلسلے جاری رہیں گے۔ نہ کسی کو کمی کا احساس ہو گا۔ مگر میرے داداجان' میرے غمگسار دوست ہیں' شفیق باپ ہیں۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔ عمر' شعیب' جنید' فاروق' سب ہی اس کی طرف متوجہ تھے۔ نہ نگاہ میں شوخی تھی' نہ چہرے پر تازگی۔

"آپ نے پپا کو بتا دیا ہے اور عمر بھائی کو۔"

"جس کو میرے ہونے کا علم نہیں' اس پر نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ بیگ شانوں پر ٹھیک کیا تو بازو سے ڈوپٹہ ہٹ گیا۔

"یہ...... یہ......" جنید تڑپ کر کھڑا ہوا۔

"یہ کیا ہوا۔؟" عمر جیسے تڑپ گیا۔

"میں چلتی ہوں' پپا نے گاڑی بھیجی ہے۔" وہ یکدم باہر نکل گئی۔

"بھا..... بھی....." فاروق' شعیب' سیف' سب کے دلوں میں اذیت کی لہر اٹھی۔ جنید پیچھے بھاگا۔

وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔

"کیسے لگا یہ زخم' کیسے جلا۔"

"یہ زخم۔" اس نے دھیرے سے بازو سامنے کیا۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں۔" اس نے نگاہ اٹھائی۔ آنسو سنبھلنے کے باوجود پھسل گئے۔

"جو میرے دل پر لگا ہے' اس کی جلن بہت شدید ہے۔"

تحریم نے الوداعی ہاتھ ہلایا۔ سرخ آنکھوں سے آنسو تواتر سے رخسار بھگو رہے تھے۔ جنید تو اتنا ششدر تھا کہ ہاتھ بھی نہ ہلا سکا اور شعیب کو یوں لگا زندگی کا رنگ محل ویران ہو گیا ہو۔

داداجان چپ ساکت بیٹھے اس صبر و استقامت کے پیکر کو دیکھ رہے تھے' جس نے صبر و تحمل کی انتہا کر دی' اف تک نہ کی۔ ان کے فیصلے پر شکوہ نہ کیا۔ وہ جب سے حیران تھے۔ کوئی جواب نہ دے سکے۔ دھیرے سے اس کے تھکے ہوئے معصوم وجود کو بانہوں میں سمیٹ کر پناہ دی اور وہ ساحل پا کر چیخ چیخ کر رو دی۔ کتنے آنسو نکل کر اس کے بالوں میں جذب ہو گئے۔

♥♡♡♥

ڈاکٹر ضیا نے اس کا بازو چیک کر کے میڈیسن دی۔ ڈاکٹر وحیدہ نے اسے چیک کر کے خوشخبری کی تصدیق کی۔ اور وہ چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی۔

"تم اپنا خیال رکھا کرو۔ بہت کمزور ہو تم" اس نے سر جھکا لیا۔

واقعی وہ بہت کمزور تھی۔ کسی کو اپنا اسیر ہی نہ کر سکی' یہاں تک کہ عمر کو بھی نہیں۔

اتنے دن ہو گئے تھے اسے آئے ہوئے' کوئی بھی نہیں آیا اور نہ فون آیا۔ جنید سے امید تھی مگر اس نے بھی نہ پوچھا اور نہ داداجان یا پپا نے کہا کہ تم گھر جاؤ۔

وہ فون گھما کر ریسیور کانوں سے لگا لیتی۔ عمر یا جنید کبھی فاروق ہیلو ہیلو کرتے رہ جاتے۔ کم عمری کی معصوم سی خواہش۔

داداجان دھیرے دھیرے ادھر ادھر کی باتیں کرتے' ٹہلتے' یا کہیں گھومنے نکل جاتے۔ وہ ان کا ساتھ دیتی' خود کو بہلا لیتی۔ مگر اندر سے بے چین رہتی۔

اتنے مصائب کے باوجود اس کا دل ادھر ہی رہتا۔ جانے وہ سب کیا کرتے ہوں گے اس کی کمی کا احساس ہوا' اسے یاد کرتے ہوں گے اگر یاد کرتے تو فون ضرور کرتے۔

دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔

آج کل کنڈیشن بھی ایسی ہو رہی تھی کہ زیادہ دیر پپا اور داداجان کے سامنے بیٹھ نہیں سکتی تھی۔

اس روز جب وہ آخری چیک اپ کروا کر واپس آئی تو اسے ریاض نے لفافہ لا کر دیا۔ ان گنت اندیشوں کے ساتھ لفافہ چاک کیا I Miss You کا کارڈ تھا۔

وہ آس و نراس' حیرت' بے یقینی کے درمیان تھی' اسے عمر کا انتظار تھا۔ جنید نے کارڈ بھیج دیا وہ اسے یاد کرتا ہے' مس کرتا ہے' کیا باقی بھی؟۔

اس نے داداجان کے آگے کارڈ رکھ دیا۔ انہوں نے پڑھا اور بھرپور طریقے سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں نے کہا تھا ناں بیٹا! انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے' اندھیرے کے سینے سے ہی دن نکلتا ہے۔ مبارک ہو تمہیں' میرے بچے!" اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

اسی رات شدت سے اس ستم گر کو یاد کیا۔ کتنا ظالم اور شقی القلب تھا' پلٹ کر پوچھا ہی نہیں۔

اور وہ تو پور پور اس کی محبت میں ڈوبی تھی۔ اور اب آنکھیں بھیگنے لگیں۔ جانے کن جذبوں کے تحت سادہ کاغذ پر اک نظم اس شقی القلب کو لکھ بھیجی۔

میرے ساتھی!
میری روح میرے جسم سے پرواز کر جائے
تو لوٹ آنا
میری بے خواب راتوں کے عذاب پر
سسکتے شہر میں تم بھی
ذرا سی دیر کو رکنا
میرے بے نور ہونٹوں کی دعاؤں پر
تم اپنی سرد پیشانی کا پتھر رکھ کر رو دینا
بس اتنی بات کہہ دینا
مجھے تم سے محبت ہے۔

♥♡♡♥

آج اس کی طبیعت بہت خراب تھی اور اسے اپنی زندگی کا بھروسا نہیں تھا ایسے موقعوں پر اطمینان' اعتماد' یقین ضروری ہوتا ہے۔

اتنے تکلیف دہ مراحل سے گزر رہے ہیں تو ہمارے پیارے دعا گو ہمارے منتظر بھی تو ہیں ہمیں بانہیں پھیلا کر سمیٹ بھی تو سکتے ہیں۔

یہ مرحلہ ہوتا ہی موت و زندگی کا ہے آر یا پار۔

وہ خالہ بی کے سینے سے لگ کر رو دی۔

"بس کر میری بچی' خدا تجھے خوش رکھے۔ تیرا نصیب اچھا کرے' ان لمحوں میں جو دعا مانگو قبول ہوتی ہے۔ بیٹا تو دعا کر اللہ تیرے گھر میں خوشیاں اتارے' تیرا سہاگ سلامت رہے۔ خیر سے اپنے گھر جائے۔"

"اپنے گھر.....!" اس نے آنچل میں آنسو سمیٹے۔

خالہ بی ضروری چیزیں رکھنے لگیں۔ ڈرائیور کو الرٹ کر دیا۔ داداجان نے صدقے کے لیے بکرا منگایا تھا۔

تب ہی چوکیدار نے ایک خط لا کر دیا۔

"کس کا ہے؟۔" الٹ پلٹ کر دیکھا پھر کھول لیا۔

دوست' مہربان' غمگسار بھابھی!

خوش رہیں۔

جس دن سے آپ گئی ہیں' اس دن سے ہم لوگ یقینی اور بے یقینی کے درمیان ہیں۔ یہ کیا ہوا' یہ کیسے ہو گیا؟ ہم لوگ تو چلتے پھرتے مزار تھے' خوشیاں جن سے روٹھ جاتی ہیں جن کا کوئی نہیں ہوتا' ہمارا ہونا نہ ہونا برابر تھا مگر آپ نے ہمیں ہونے کا احساس دلا کر زندہ کیا۔ کوئی ہے جو ہماری پروا کرتا ہے' ہمارا دھیان کرتا ہے۔ ورنہ ہم لوگ تو آتے جاتے مسافر تھے۔ کب ایسی پذیرائی ملی تھی' کب ہم اس کے حقدار

تھے۔ ہم لوگ یہ نہیں جانتے تھے' تقدیر سب کو سب کچھ ہی تو نہیں نوازتی' خود سے انتقام لیتے رہے, جو سراسر ہمارا خسارہ تھا' آپ کی بے غرض محبت نے ہمیں سوتے سے جگایا' آپ نے ہمارے ناروا سلوک کے باوجود ہمیں محبت' اپنائیت دی۔

قصور ہمارا بھی نہیں تھا۔ ہماری شریانوں میں بچھڑنے کا خوف تھا اس خوف' ڈر نے ہمیں آپ کی جانب بڑھنے نہیں دیا۔ آپ کے جانے کے بعد ہم سب اور بکھر گئے۔ وہ فرشتہ صفت لڑکی ہمیں بہت یاد آتی تھی۔ جو ہمارا خیال رکھتی تھی۔ ہماری پسند کے کھانے پکاتی تھی' ہمارے اندر کا غبار دھو دینا چاہتی تھی۔ ہمارا گھر درو دیوار' لان' پھول پودے' کچن' لاؤنج اور تو اور بھائی کا بیڈ روم بھی سونا اور ویران ہو گیا۔ آپ کے جانے کے بعد ہمارا ڈر خوف نکل گیا۔ کوئی کسی سے کچھ نہیں چھین سکتا جب تک خدا خود نہ چاہے' محبتیں تو سیکھنے کے مراحل پیدا کرتی ہیں۔ ہم نے آپ سے سیکھا ہے۔ آپ ہمارے لیے محبت کی اکیڈمی ہیں۔ ماں کی' بہن کی' دوست کی' غمگسار کی' مہربان شفیق انسان کی' بے غرض اور لاثانی محبت' اب ہم سب (اور تو اور بھائی جان بھی) ایک شدید قسم کی پشیمانی و شرمندگی کے حصار میں ہیں۔ ہمارے گناہ اتنے ہیں جب تک آپ معاف نہیں کریں گی ہمیں سکون نہیں ملے گا۔ اور روبرو معافی مانگنے کا حوصلہ نہیں ہیں۔

ہمیں معاف کر دیں بھابھی جان (ہاتھ باندھ کر ہم سب قطار میں کھڑے ہیں سب سے آگے بھائی جان ہیں۔)

وہ روتے روتے ہنس دی۔

اسی لیے ہم نے خط لکھا ہے' کل ہم سب آپ کو لینے آرہے ہیں۔ آپ کی آمد کے احساس نے گھر میں ابھی سے رونق بکھیر دی ہے۔ ہم سب نے مل کر پورا گھر صاف شفاف کیا ہے۔ ساری گرد' کثافتیں' رنج و ملال دھو ڈالے ہیں۔ عشق پیچاں کے پھول پتے آپ کی راہوں میں بچھا دیے۔ اب آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ سارا فرنیچر تک تبدیل کر دیا ہے۔

ہم سب آپ کے منتظر ہیں۔

نئی محبتیں آپ کی منتظر ہیں۔

سب سے پہلے دادو کو یہ خوشخبری سنانے وہ بے ساختہ دوڑی اور اپنی حالت سے بے پروا چیخی۔

"دا..... دا... جان دادا جان۔"

بس وہیں درد کی لہر نے اسے بھگو دیا۔ جوابی کال کرنے کا موقع ہی نہ ملا' اس کی آواز پر سب بھاگے آئے اور اس کی حالت نے سب کو حواس باختہ کر دیا۔

♥♡♡♥

جانے کتنی اذیت تکلیف کے بعد آنکھ کھلی تو دکھوں کے تمام باب بند ہو چکے تھے۔ سسٹر نے ہوش میں آتے دیکھ کر دھیرے سے اسے جڑواں بچوں کی خوشخبری سنائی۔

"سب لائن بنا کر باہر کھڑے ہیں۔ بس اجازت کے منتظر ہیں۔" اسے بہت شرم آنے لگی۔

"کہہ دیں' طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اٹھنے کی کوشش کی پھر لیٹ گئی۔

"بھتیجے بھتیجی کی خوشی میں تمہارے دیوروں نے پورا ہاسپٹل سر پر اٹھا لیا ہے۔ ایک تو باقاعدہ مٹھائی کا ٹوکرا لے کر گھوم رہا ہے' ہر آتے جاتے کو کھلا رہا ہے' دوسرا پھول بانٹ رہا ہے۔ تیسرا کھلونے لا رہا ہے' چوتھا مسکینوں کو صدقہ دے رہا ہے۔

تمہارا شوہر وہ بے چارہ مسکین' خوامخواہ ہی ہنسے جا رہا ہے۔"

اور وہ حیران ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ کیا صبح ہو گئی تھی۔

"وہ سب تمہارے ہوش میں آنے کے منتظر ہیں' میں انہیں بھیجتی ہوں۔" ڈاکٹر وحیدہ باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

وہ سب بیڈ کے قریب قطار بنا کر کھڑے ہو گئے سر جھکا کر معصومیت سے جرم کا اقرار کیا ان کے چہروں پر خوبصورت رنگ تھے اکڑ' بد مزاجی' پیشانی کی شکنیں سب غائب' اسے یقین آگیا تبدیلی ہمیشہ آہستہ آہستہ ہوتی ہے مگر ہوتی ضرور ہے' اور ہر پیدا ہونے والا بچہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ابھی خدا اپنے بندے سے

مایوس نہیں ہوا' بندہ مایوس ہو جاتا ہے جلد باز جو ٹھہرا' اندر ہی اندر پشیمان ہوئی۔

"اے خدا مجھے معاف فرما۔"

سیف اور فاروق چور نگاہوں سے بے بی کاٹ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سلام نہیں کرو گے۔" وہ ہنس دی' چاروں نے اس کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر مسکراتی کرن نے انہیں معافی کا پیغام دیا۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام" وہ مسکرائی۔

"بھابھی! زندہ باد۔" چاروں تیزی سے بچوں کی طرف بڑھے۔

اور وہ محبت سے ان کی خوشیاں دیکھ رہی تھی۔ وہ آوازیں نکال رہے تھے منہ بنا رہے تھے۔ چہک رہے تھے' ایک دوسرے کو چھیڑ رہے تھے۔

اسے زندگی پر پیار آگیا۔ خدا کتنا مہربان ہے۔

ہاتھوں پر نرم سے لمس نے اسے چونکا دیا۔ عمر مسکراتے چہرے کے ساتھ کھڑے تھے۔ اسے دیکھ کر اذیت کے تمام دن یاد آگئے۔ بے اختیار آنسو نکل گئے۔

"اب نہیں میری جان۔" ایک ہاتھ اس کے تکیہ پر اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام کر جھکا۔

"دکھوں کا باب ختم ہو گیا۔" اور اس نے آنسو سمیٹ لیے' وہ آہٹ پر چونکی۔ شعیب' فاروق' جنید' سیف باہر نکل رہے تھے۔

"نئے رخ روشن کی نئی صبح مبارک ہو۔"

"آپ کو بھی۔" وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

"میں تمہارا وجود پھولوں سے بھر دوں گا" دھیرے سے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اس لمس پر' محبت کے احساس پر' اس کی خوشی دیدنی تھی۔ "پپا کو امریکہ فون کر دیا ہے رات تک آئیں گے۔ اور سنو انہیں پچھلا کچھ مت بتانا۔" وہ ہنس دی جیسے بڑا ڈر تھا۔

"اپنے نومولودوں سے مل لیں۔"

وہ کاٹ کی جانب بڑھا مگر دونوں کاٹ خالی تھے۔

"تحریم یہ!۔" اس نے پلٹ کر دیکھا تب ہی باہر شور ہو رہا تھا' دروازے سے باہر جھانکا۔ وہ چاروں بچوں کی طرح ننھے فرشتوں کو بانہوں میں سنبھالے باتیں کر رہے تھے اطراف میں کھلونے بکھرے تھے آتے جاتے لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔ اور سسٹر کہہ رہی تھی "ٹائم از اوور"

"بچے کہاں ہیں؟" تحریم نے پوچھا۔

"اپنے چچاؤں کے پاس۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔

اس کے والہانہ پرجوش محبت آمیز انداز پر وہ سرخ ہو گئی' بے ساختہ ہی کمبل میں منہ چھپا لیا' عمر نے اس کا کمبل کھینچ کر اس شرارتی نگاہوں کی زد میں لے لیا۔

اس سے پہلے کہ کوئی خوبصورت کارروائی ہوتی۔ قافلہ محبت دادا جان کے سنگ اندر آگیا۔ ان کے خوشی سے کھلے کھلے چہروں نے ان کے اندر تک سکون کا احساس بھر دیا۔ دادا اور پوتی نے ایک دوسرے کو فتح کی مبارکباد دی۔ اور خوشیوں اور رنگوں کی بارش میں بھیگنے لگے۔

✸